ثقل

فاطمہ گل

"کچھ بوجھ کندھوں پر نہیں ہوتے، وہ سجدے میں بھی دل کو زمین پر لگنے نہیں دیتے۔"

میں نے اسے ثِقَل کہا

سرگودھا کی دوپہر نرم دھوپ اوڑھے صحن میں اتر رہی تھی۔

اینٹوں سے بنا وہ کشادہ صحن، جس کے ایک کونے

میں نیم کا درخت تھا اور دوسرے کونے میں مٹی کے

کھلونے بکھرے پڑے تھے، بچوں کی ہنسی سے زندہ ہوا اٹھا تھا۔

"حِرا! دیکھو، گیند ادھر آ رہی ہے!"

عائشہ صالح کی آواز فضا میں اچھلی۔

دس سالہ حِرا وقاص نے تیزی سے دوپٹہ سنبھالا اور ننگے پاؤں مٹی پر دوڑ پڑی۔

اس کی چوٹی کھل کر

!''پیٹھ پر جھولنے لگی۔''زیمار! دھکا مت دینا، میں خود پکڑ لوں گی

زیمار عارف، جوان دونوں کا چچازاد بھائی تھا، ہنستے ہوئے پیچھے ہٹا۔اس کی ہنسی میں

وہ بے فکری تھی جو صرف بچپن کو نصیب ہوتی ہے۔

میں نے کچھ نہیں کیا، تم خود گرنے والی تھی''! تینوں کی ہنسی صحن کی دیواروں''

سے ٹکرا کر لوٹ

آئی۔

صحن کے ایک طرف لکڑی کی چارپائی پر حِرا کے والد بیٹھے تھے۔ہاتھ میں اخبار تھا

مگر نظریں بچوں

پر جمی تھیں۔

ان کے برابر میں ان کی بیوی بیٹھی تھی، ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں وہ

تسلی کہ بچے محفوظ

ہیں۔"بس زیادہ نہ دوڑیں، گرنہ جانا!"

وقاص جو کہ چارپائی پر بیٹھے تھے انھوں نے بچوں سے کہا۔

یہ وہ گھر تھا جہاں: دیواروں پر ہلکے سبز رنگ کی پینٹ

کھڑکیوں پر سفید پردے اور دلوں میں سکون بسا ہوا تھا

گھر کے بالکل ساتھ ہی زیمار کا گھر تھا—ساخت میں ملتا جلتا مگر کچھ زیادہ سنبھلا ہوا۔وہاں اس کے والد دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے تھے، ہاتھ میں چائے کا کپ، آنکھوں میں اپنے بیٹے کے لیے فخر۔

دو گھر، ایک صحن، ایک ہی خوشی۔وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔

...مگر اسی وقت، ہزاروں میل دور

مسجدِ اقصیٰ سے کچھ فاصلے پر واقع ایک تنگ گلی میں، پتھر کے پرانے گھر کی کھڑکی کے پاس پندرہ

سالہ عمیر کھڑا تھا۔اس کی آنکھوں میں خواب تھے۔

اوران خوابوں میں— دوڑنا، ہنسنا، گلی میں گیند کو ٹھوکر مارنا۔

وہ باہر دیکھ رہا تھا۔

گلی سنسان تھی، مگر اسے یاد تھا کہ کبھی یہاں بچے کھیلا کرتے تھے۔

امی... میں تھوڑی دیر باہر جا آؤں؟" عمیر کی آواز میں التجا تھی۔"

کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی اس کی ماں نے

فوراً سر اٹھایا۔اس کے چہرے پر وہ خوف تھا جو

روز خبروں میں نہیں، حقیقت میں جیا جاتا ہے۔"نہیں، عمیر۔ تم نہیں جاؤ

"گے۔

!"لیکن میں صرف"— "میں نے کہا نہیں"

:اس کی آواز سخت ہو گئی، مگر آنکھیں نم تھیں۔وہ گھر چھوٹا تھا

دیواروں پر جنگ کے نشانات کھڑکی کے شیشے پر دراڑ

ایک کونے میں تہہ کیا ہوا جانماز

اور دلوں میں ہر لمحہ ایک ان دیکھا خطرہ عمیر نے کھڑکی کے شیشے پر ہاتھ رکھا۔

اس کا دل باہر جانا چاہتا تھا، مگر اس نے ماں کی آنکھوں میں وہ خوف دیکھ لیا تھا جو

اسے روکنے

...”کے لیے کافی تھا۔“جب حالات ٹھیک ہوں گے

ماں نے آہستہ کہا، جیسے خود کو تسلی دے رہی ہو۔

عمیر مسکرایا، مگر وہ مسکراہٹ اس کی آنکھوں تک نہ پہنچ سکی۔

دور کہیں مسجدِ اقصیٰ کی سمت سے ہلکی سی اذان کی آواز آرہی تھی۔

اس کے بابا شہید ہو چکے تھے۔وہ آواز عمیر کے دل میں اتر گئی۔

وہ سجدے میں جھک گیا،اور اس کے دل پر ایک ان دیکھا ثِقَل آ بیٹھا۔

اسی لمحے، سرگودھا کے صحن میں بچوں کی ہنسی پھر گونجی۔

...دو دنیائیں۔ایک میں سکون

اور دوسری میں صبر۔اور کہانی نے خاموشی سے پہلا قدم رکھ دیا۔

سرگودھا کی صبح ہمیشہ ایک جیسی لگتی تھی۔فجر کے بعد گلی میں دودھ والے کی

—آواز، چڑیوں کی چہچہاہٹ،اور گھروں سے اٹھتی چائے کی خوشبو

سب کچھ معمول کا حصہ تھا۔

حِرا وقاص نے آنکھیں ملتے ہوئے صحن میں قدم رکھا تو عائشہ پہلے ہی وہاں موجود تھی۔ ہاتھ میں

کتاب، مگر دھیان کہیں اور۔ ''امی کہہ رہی تھیں آج اسکول جلدی جانا ہے،''

عائشہ

نے اطلاع دی۔ زیمار دروازے کے ساتھ کھڑا بستہ کندھے پر لٹکائے

''، سن رہا تھا۔ ''جلدی جانا ہو یا دیر سے، ٹیچر تو ڈانٹ ہی دیں گی

وہ مسکرا کر بولا۔ حِرا ہنس پڑی۔

یہ ہنسی بے فکر تھی—ایسی ہنسی جس کے پیچھے کوئی خوف نہیں ہوتا۔

ناشتے کی میز پر بڑوں کی باتیں چل رہی تھیں۔ خبروں میں کہیں دور کسی ملک کا

—ذکر تھا

دھماکے، احتجاج، اور مسجدِ اقصیٰ کا نام۔ ''اللہ رحم کرے،'' حِرا کے والد نے اخبار

بند کرتے

ہوئے کہا۔ حِرا نے لفظ اقصیٰ سنا، مگر معنی نہ سمجھی۔

اس کے لیے دنیا ابھی اسکول، کھیل اور شام کی آئس کریم تک محدود تھی۔

ادھر فلسطین میں، عمیر کی صبح مختلف تھی۔

فجر کے بعد بھی نیند آنکھوں سے کوسوں دور رہتی۔ وہ چھت پر کھڑا دور مسجدِ اقصیٰ کے سنہری گنبد کو دیکھ رہا تھا۔ سورج کی پہلی کرنیں اس پر پڑتیں تو دل میں عجیب سی امید جاگتی۔ ''عمیر، نیچے آجاؤ،'' ماں کی آواز آئی۔ ''آج باہر جانے کی بالکل اجازت نہیں۔''

وہ خاموشی سے نیچے آگیا۔ کتاب کھولی، مگر لفظ آنکھوں کے آگے دھندلا رہے تھے۔ اسے یاد آیا——

وہ دن جب وہ بھی گلی میں کھیلا کرتا تھا۔ جب ماں اتنا نہیں ڈرتی تھی۔

وہ جانتا تھا، یہ ڈر بے وجہ نہیں۔ دوپہر ڈھلی تو سرگودھا کے گھر میں خاموشی چھا گئی۔ بچے اسکول میں تھے، صحن سنسان۔ حِرا کی ماں نے صحن میں جھاڑو دیتے ہوئے آسمان

کی طرف دیکھا——بادل ہلکے تھے، دل بھی ہلکا۔ ''الحمدللہ،'' اس نے آہستہ کہا۔

اسی وقت فلسطین کے اس گھر میں، عمیر کی ماں نے کھڑکی بند کرتے ہوئے دل ہی دل میں وہی لفظ

دہرایا— مگر وہاں الحمدللہ میں صبر شامل تھا۔

شام کو سرگودھا کے بچے پھر اکٹھے ہو گئے۔ زیمار نے گیند اچھالی، حِرا نے پکڑی،

عائشہ تالیاں

''بجانے لگی۔ ''ہم ہمیشہ ایسے ہی کھیلیں گے نا؟

، حِرا نے اچانک پوچھا۔ زیمار نے لاپرواہی سے جواب دیا

ہاں، ہمیشہ۔'' کسی کو کیا خبر تھی کہ ہمیشہ سب سے نازک لفظ''

ہوتا ہے۔ اسی شام، عمیر نے چھت پر کھڑے ہو کر آسمان کی

طرف دیکھا۔ کہیں دور بچے ہنس رہے ہوں گے—اسے یقین تھا۔

اس نے دل میں سوچا: کیا دنیا میں کوئی ایسی جگہ بھی ہے جہاں بچے بے

، خوف ہنستے ہوں؟ اور اس سوال کے ساتھ

اس کے دل پر ثِقَل اور گہرا ہو گیا۔

سرگودھا کی دوپہر اُس دن کچھ زیادہ ہی خاموش تھی۔ اسکول سے واپسی پر حِرا

وقاص نے بستہ صحن کے

ایک کونے میں رکھااور بغیر شور کیے چارپائی پر بیٹھ گئی۔عائشہ ابھی تک اپنی امی کے ساتھ باورچی خانے میں تھی اور زیمار اپنے گھر کے دروازے پر
کھڑا کسی بات پر والد سے سرگوشی کر رہا تھا۔حِرا کے ہاتھ میں کتاب تھی، مگر اس کی نظریں

...‘‘صفحوں پر نہیں ٹھہرتی تھیں۔’’امی

وہ اچانک بولی۔ماں نے چونک کر دیکھا۔

’’کیا ہوا؟’’ ‘‘اقصیٰ کیا ہوتا ہے؟’’

ماں کے ہاتھ ایک لمحے کو رک گئے۔وہ سمجھ گئی——یہ سوال کتابوں سے نہیں آیا، یہ
خبروں کی سرخیوں سے پھسل کر ایک بچے کے دل میں اترا تھا۔

اقصیٰ ایک مسجد ہے، بہت مقدس،’’ اس نے نرمی سے کہا۔‘‘

مسلمانوں کے لیے بہت اہم ہے۔’’ حِرا نے سر ہلایا، مگر مطمئن نہ ہوئی۔‘‘پھر‘‘

’’وہاں اتنی لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں؟

یہ سوال معمولی نہیں تھا۔یہ معصوم ذہن میں پڑنے والی پہلی دراڑ تھی۔

ماں نے اسے اپنے قریب بٹھایا۔ ''بیٹا، دنیا ہر جگہ ایک جیسی نہیں ہوتی۔ کہیں بچے کھیلتے ہیں، کہیں صبر کرتے ہیں۔'' حِرا نے صحن کی طرف دیکھا——جہاں ابھی کل تک

ہنسی گونج رہی تھی۔اس کے دل میں پہلی بار خیال آیا: اگر یہاں بھی ہنسی رک جائے تو؟

اسی شام زیمار آیا۔اس کے ہاتھ میں گیند تھی مگر کھیلنے کا دل نہیں تھا۔

''ابو کہہ رہے تھے،'' اس نے آہستہ کہا، ''کہ حالات کبھی بھی بدل سکتے ہیں۔''

''عائشہ نے حیرانی سے پوچھا، ''کیسے حالات؟

''زیمار نے کندھے اچکائے۔ ''بس... دنیا کے۔

تینوں کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ بچپن میں خاموشی سب سے بھاری چیز ہوتی ہے۔

فلسطین میں، اسی دن خاموشی چیخی تھی۔

عمیر دوپہر کو کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک

باہر شور اٹھا۔قدموں کی دوڑ، چیخیں، اور پھر ایک

!"زوردار دھماکا—اتنا قریب کہ دیواریں لرز گئیں۔" عمیر

ماں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔

عمیر کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ یہ وہ خوف تھا جسے وہ برسوں سے جانتا تھا،

مگر ہر بار نیا لگتا

—تھا۔ چند لمحوں بعد سب کچھ خاموش ہو گیا

"مگر وہ خاموشی موت جیسی تھی۔" امی... ہم کیوں یہاں ہیں؟

عمیر کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔" کیونکہ یہ ہمارا گھر ہے۔

اور اگر یہ گھر ہمیں ڈراتا ہے؟" ماں نے آنکھیں بند کر لیں۔"

کچھ سوالوں کے جواب آنسو ہوتے ہیں۔ شام کو عمیر چھت پر گیا۔

دور مسجدِ اقصیٰ کا گنبد نظر آ رہا تھا—پرسکون، مضبوط، جیسے سب کچھ سہہ کر بھی

کھڑا ہو۔

اس نے دل میں سوچا: کیا میں بھی ایسا بن سکتا ہوں؟

اسی لمحے سرگودھا میں حِرا نے آسمان کی طرف دیکھا۔

بادل سرک رہے تھے، ہلکے، بے خوف۔ دو دل، دو سوال۔

ایک دنیا — مگر انصاف کہیں نہیں۔ اور ثِقَل

اب صرف احساس نہیں رہا تھا، وہ سوال بن چکا تھا۔

وقت خاموشی سے بدلتا ہے۔ کوئی شور نہیں، کوئی اعلان نہیں — بس ایک دن

بچپن

پیچھے رہ جاتا ہے۔ سرگودھا میں پانچ سال گزر گئے۔

اب صحن وہی تھا، مگر ہنسی کی آواز بدل گئی تھی۔ حِرا وقاص اب پندرہ سال کی

، تھی — قد میں کچھ لمبی

آنکھوں میں سوال زیادہ۔ عائشہ کتابوں میں زیادہ اور باتوں میں کم نظر آنے

لگی تھی۔ اور زیمار عارف — اب کھیل سے زیادہ خبروں میں

دلچسپی لینے لگا تھا۔ ایک شام تینوں صحن میں بیٹھے تھے۔

موبائل کی اسکرین پر زیمار کوئی ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ ''یہ دیکھو،'' اس نے موبائل

حِرا کی طرف بڑھایا۔

''یہ وہی جگہ ہے جس کا تم پوچھ رہی تھیں — مسجدِ اقصیٰ۔''

اسکرین پر پتھر، چیخیں، بھاگتے لوگ، اور آنسو تھے۔

"حِرا نے موبائل فوراً پیچھے کر دیا۔" یہ سب کیوں ہوتا ہے؟

اس کی آواز اب بچی جیسی نہیں رہی تھی۔ کوئی جواب نہیں تھا۔

عائشہ نے آہستہ سے کہا، "امی کہتی ہیں، کچھ دکھ دنیا کے ہوتے ہیں، اور کچھ امتحان کے۔" حِرا نے سر جھکا لیا۔

اس کے دل پر ایک انجانا بوجھ بیٹھ گیا—— جیسے وہ دکھ اس کا اپنا ہو۔

اسی وقت فلسطین میں، عمیر سترہ سال کا ہو چکا تھا۔

چہرے پر سنجیدگی، آنکھوں میں اب بھی خواب—— مگر محتاط۔

وہ کتابوں کے ساتھ ساتھ خبروں کو بھی پڑھتا تھا، کیونکہ یہاں خبر اور زندگی الگ نہیں تھیں۔

اس دن اس کے اسکول میں اعلان ہوا تھا: "کل اسکول بند رہے گا۔" کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔

یہاں وجہ کبھی بتائی نہیں جاتی تھی۔ گھر آکر اس نے ماں کو خاموش پایا۔

"امی؟"

عمیر ''... ماں نے گہری سانس لی۔ ''

''اگر کبھی ہمیں یہاں سے جانا پڑے—— تو تم کیا کرو گے ؟''

''، عمیر چونک گیا۔ ''کہاں جائیں گے ؟'' ''جہاں زندگی ہو

''ماں نے کہا۔ ''جہاں تم صرف بچہ بن سکو۔

عمیر نے مسجدِ اقصیٰ کی سمت دیکھا۔ دل نے کہا: یہاں بھی زندگی ہے

، مگر حقیقت نے سرگوشی کی: یہاں صرف صبر ہے سرگودھا کی ایک رات

حِرا اپنی ڈائری میں لکھ رہی تھی۔ ''میں نے آج پہلی بار محسوس کیا کہ میں محفوظ

ہوں۔

''اور یہ احساس بھی ایک ثِقَل ہے، جب دنیا میں سب محفوظ نہیں۔

، اس نے قلم بند کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اسی رات فلسطین میں

—— عمیر نے پہلی بار ایک آن لائن فارم بھرا

: اسکالرشپ کا۔ اس نے ملک کے خانے میں لکھا

Pakistan

وہ نہیں جانتا تھا کیوں، بس دل نے کہا تھا۔

دو مختلف راتیں، دو مختلف دعائیں، اور ایک ہی سمت۔

کہانی اب بچوں کی نہیں رہی تھی۔ اب یہ فیصلوں کی تھی۔

،اور ثِقَل اب یاد نہیں رہا تھا

وہ ذمہ داری بننے لگا تھا۔

سرگودھا کی سرد صبح تھی۔ کہرے نے گلیوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، اور

حِرا او قاص کھڑکی کے پاس کھڑی باہر دیکھ رہی

تھی۔ اسکول ختم ہونے میں ابھی وقت تھا، مگر اس کا دل اب صرف کتابوں تک

محدود نہیں رہا تھا۔

تم آج پھر اتنی خاموش ہو،" عائشہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"

"حِرا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، "بس... سوچ رہی ہوں۔

کس کے بارے میں؟" حِرا نے جواب نہیں دیا۔"

کچھ سوچیں لفظوں میں نہیں ڈھلتی تھیں——وہ دل پر بوجھ بن کر بیٹھ جاتی تھیں۔

اسی لمحے زیمار اندر آیا، ہاتھ میں اخبار۔ "یہ دیکھو،" اس نے صفحہ کھول کر

دکھایا۔

"فلسطین کے طلبہ کے لیے پاکستان میں اسکالرشپس۔"

حِرا کے دل نے ایک لمحے کو زور سے دھڑکنا چھوڑ دیا۔

نام اس نے نہیں پڑھا، چہرے نہیں دیکھے — بس فلسطین کا لفظ کافی تھا۔

کیا واقعی کوئی یہاں آتا بھی ہے؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔"

زیمار نے سر ہلایا۔"ہاں۔ابو کہہ رہے تھے، کچھ لڑکے لڑکیاں آتے ہیں۔

پڑھنے کے لیے... جینے کے لیے۔" حِرا نے کھڑکی کے باہر دیکھا۔

، کہرا ہلکا ہو رہا تھا، مگر دل میں ثِقَل بڑھ رہا تھا۔اسی دن فلسطین میں

عمیر کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔اسکرین پر ایک ای میل کھلی تھی۔

چند سادہ سے الفاظ — مگر معنی بہت بڑے:

"We are pleased to inform you..."

وہ لفظ پورا نہیں پڑھ سکا۔آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

امی"... اس کی آواز بھرا گئی۔"

ماں نے ای میل دیکھی تو چند لمحے خاموش رہی۔پھر اس نے عمیر کو سینے سے لگا

لیا۔

اللہ نے سن لی،" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔"

:خوشی تھی — مگر اس خوشی کے ساتھ ایک خوف بھی جڑا تھا

چھوڑنا۔ گھر، گلی، مسجدِ اقصیٰ — سب پیچھے رہنے والا تھا۔ عمیر اس رات چھت پر گیا۔

گنبد کی طرف دیکھا، اور پہلی بار دل نے مانا کہ جانا بھی عبادت ہو سکتی ہے۔ سرگودھا میں شام ڈھلی تو حِرا صحن میں بیٹھی

،ڈائری لکھ رہی تھی۔ "میں کسی کو نہیں جانتی

... مگر کسی کے لیے دل بے چین ہے۔ شاید یہ ہمدردی ہے

"یا شاید کوئی امانت، جو ابھی ملی نہیں۔

،اس نے ڈائری بند کر دی۔ اسی وقت

ہزاروں میل دور، عمیر اپنا بیگ سمیٹ رہا تھا۔

دو کپڑے، چند کتابیں، اور ماں کی دعائیں۔

،یہ پہلا قدم تھا—— نہ ملاقات، نہ پہچان

بس ایک ہی سمت میں بڑھتی دو زندگیاں۔اور ثِقَل

اب صرف دکھ نہیں تھا، وہ ذمہ داری بن چکا تھا۔

اسلام آباد کی فضا میں خزاں کی ہلکی سی ٹھنڈ تھی۔ جہاز کے پہیے زمین کو چھوتے ہی

عمیر نے آنکھیں بند کر لیں۔دل کی دھڑکن تیز تھی——یہ خوشی تھی یا

خوف، وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔امی اس کے ساتھ نہیں تھیں۔

بس ان کی دعا اس کے کندھے پر ہاتھ کی طرح رکھی تھی۔

امیگریشن کے بعد وہ باہر نکلا تو اجنبی چہروں، اجنبی زبان، اور اجنبی خوشبوؤں نے

اسے گھیر لیا۔

مگر ان سب کے بیچ اذان کی ہلکی سی آواز سنائی

دی——

”،اور دل کو قرار آگیا۔“ یہاں بھی اللہ ہے

اس نے آہستہ سے خود سے کہا۔ سرگودھا میں وہ دن عام سا تھا۔

حِرا وقاص کالج سے واپس آئی تو صحن میں غیر معمولی سی گہما گہمی تھی۔

امی، یہ سب؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔"

مہمان آ رہے ہیں،" ماں نے مسکرا کر کہا۔"

دور سے۔" حِرا نے زیادہ سوال نہیں کیے۔"

مگر دل میں ایک بے نام سی کھنچاؤ جاگا — جیسے کوئی دھاگا کھینچا جا رہا ہو۔

شام کے وقت دروازے پر گاڑی رکی۔ زیمار سب سے پہلے باہر نکلا۔

آ گئے؟" وہ خوشی سے بولا۔"

چند لمحوں بعد عمیر دروازے پر کھڑا تھا۔ سادہ لباس، سنجیدہ آنکھیں، اور چہرے پر وہ تھکن جو

— سفر سے زیادہ زندگی دیتی ہے۔ حِرا نے صحن کے کونے سے اسے دیکھا

،ایک لمحے کو۔ نظر ملی نہیں

مگر دل نے پہچان لیا۔ تعارف مختصر تھا۔

یہ عمیر ہے،" زیمار کے والد عارف نے کہا۔"

فلسطین سے۔ کچھ دن ہمارے ساتھ رہے گا، پھر یونیورسٹی کے ہاسٹل چلا جائے
گا۔"

حِرا نے سر جھکا لیا۔ الفاظ کہیں اٹک گئے۔

عائشہ نے مسکرا کر سلام کیا۔ عمیر نے جواب دیا— آواز میں جھجک تھی، مگر
لہجے میں وقار۔ کھانے کی میز پر خاموشی زیادہ بول رہی تھی۔

— عمیر کم بول رہا تھا، مگر ہر چیز غور سے دیکھ رہا تھا

صحن، دیواریں، ہنستے چہرے۔ یہ سب اس کے لیے کسی خواب سے کم نہ تھا۔

، حِرا نے محسوس کیا— وہ ہنسی جو یہاں عام تھی

— وہاں عیاشی سمجھی جاتی تھی۔ اس کے دل میں وہی پرانا بوجھ لوٹ آیا
میں محفوظ ہوں، اور وہ... رات کو عمیر چھت پر گیا۔

آسمان وہی تھا— ستارے وہی۔ مگر زمین بدل چکی تھی۔

اسی وقت حِرا بھی چھت پر آئی۔ کچھ فاصلے پر رک گئی۔

خاموشی تھی۔ پھر حِرا نے ہمت کی۔

آپ کو... یہاں اچھا لگ رہا ہے؟" عمیر نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔"

”، پھر ہلکا سا مسکرایا۔ ”یہاں سکون ہے

”وہ بولا۔ ”سکون بھی... ایک نعمت ہے۔

—حِرا نے سر ہلایا۔اس لمحے اسے لگا

یہ بات وہ برسوں سے سننا چاہ رہی تھی۔دونوں خاموش ہو گئے۔

مگر یہ خاموشی بوجھل نہیں تھی۔نیچے صحن میں زندگی معمول پر تھی۔

اوپر چھت پر— دو کہانیاں پہلی بار ایک ہی فریم میں آگئی تھیں۔

—اور ثِقَل اب صرف دکھ یا ذمہ داری نہیں رہا تھا

وہ امانت بن چکا تھا۔

اسلام آباد کی فضا میں خزاں کی ہلکی سی ٹھنڈ تھی۔جہاز کے پہیے زمین کو چھوتے ہی عمیر نے آنکھیں بند کر لیں۔دل کی دھڑکن تیز تھی—یہ خوشی تھی یا خوف، وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔امی اس کے ساتھ نہیں تھیں۔

بس ان کی دعا اس کے کندھے پر ہاتھ کی طرح رکھی تھی۔

امیگریشن کے بعد وہ باہر نکلا تو اجنبی چہروں، اجنبی زبان، اور اجنبی خوشبوؤں نے

اسے گھیر لیا۔

مگر ان سب کے بیچ اذان کی ہلکی سی آواز سنائی

دی—

"،اور دل کو قرار آ گیا۔" یہاں بھی اللہ ہے

اس نے آہستہ سے خود سے کہا۔ سرگودھا میں وہ دن عام سا تھا۔

حِرا وقاص کالج سے واپس آئی تو صحن میں غیر معمولی سی گہما گہمی تھی۔

امی، یہ سب ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔"

مہمان آرہے ہیں،" ماں نے مسکرا کر کہا۔"

دور سے۔" حِرا نے زیادہ سوال نہیں کیے۔"

مگر دل میں ایک بے نام سی کھنچاؤ جاگا— جیسے کوئی دھاگا کھینچا جا رہا ہو۔

شام کے وقت دروازے پر گاڑی رکی۔ زیمار سب سے پہلے باہر نکلا۔

آ گئے ؟" وہ خوشی سے بولا۔"

چند لمحوں بعد عمیر دروازے پر کھڑا تھا۔ سادہ لباس، سنجیدہ آنکھیں، اور چہرے پر وہ تھکن جو

—سفر سے زیادہ زندگی دیتی ہے۔ حِرا نے صحن کے کونے سے اسے دیکھا

،ایک لمحے کو۔ نظر ملی نہیں

مگر دل نے پہچان لیا۔ تعارف مختصر تھا۔

یہ عمیر ہے،" زیمار کے والد نے کہا۔"

فلسطین سے۔ کچھ دن ہمارے ساتھ رہے گا، پھر یونیورسٹی کے ہاسٹل چلا جائے"

"گا۔

حِرا نے سر جھکا لیا۔ الفاظ کہیں اٹک گئے۔

عائشہ نے مسکرا کر سلام کیا۔ عمیر نے جواب دیا—آواز میں جھجک تھی، مگر لہجے میں وقار۔ کھانے کی میز پر خاموشی زیادہ بول رہی تھی۔

—عمیر کم بول رہا تھا، مگر ہر چیز غور سے دیکھ رہا تھا

صحن، دیواریں، ہنستے چہرے۔ یہ سب اس کے لیے کسی خواب سے کم نہ تھا۔

،حِرا نے محسوس کیا— وہ ہنسی جو یہاں عام تھی

——وہاں عیاشی سمجھی جاتی تھی۔اس کے دل میں وہی پرانا بوجھ لوٹ آیا

میں محفوظ ہوں،اور وہ... رات کو عمیر چھت پر گیا۔

آسمان وہی تھا——ستارے وہی۔ مگر زمین بدل چکی تھی۔

اسی وقت حِرا بھی چھت پر آئی۔کچھ فاصلے پر رک گئی۔

خاموشی تھی۔پھر حِرا نے ہمت کی۔

آپ کو... یہاں اچھا لگ رہا ہے؟" عمیر نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔"

"،پھر ہلکا سا مسکرایا۔"یہاں سکون ہے

"وہ بولا۔"سکون بھی... ایک نعمت ہے۔

——حِرا نے سر ہلایا۔اس لمحے اسے لگا

یہ بات وہ برسوں سے سننا چاہ رہی تھی۔دونوں خاموش ہو گئے۔

مگر یہ خاموشی بوجھل نہیں تھی۔نیچے صحن میں زندگی معمول پر تھی۔

اوپر چھت پر—— دو کہانیاں پہلی بار ایک ہی فریم میں آ گئی تھیں۔

——اور ثِقَل اب صرف دکھ یا ذمہ داری نہیں رہا تھا

وہ امانت بن چکا تھا۔سرگودھا کی شام دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔

آسمان پر ہلکی نارنجی دھاریاں تھیں، اور صحن میں نیم کے پتے ہلکی ہوا کے ساتھ

سرسرا رہے تھے۔ عائشہ صحن کے ایک کونے میں بیٹھی کتاب پڑھ

رہی تھی، مگر نظر لفظوں پر نہیں تھی۔ دروازے کی آہٹ پر اس نے بے اختیار

سر اٹھایا۔

عمیر تھا۔ وہ ہر بار کی طرح آہستگی سے آیا، سلام کیا، اور

سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"،اس کی آواز میں وہی احترام، وہی نرمی۔ "آج موسم اچھا ہے

اس نے مسکرا کر کہا۔ عائشہ نے سر ہلایا۔

ہاں... یہاں شامیں پر سکون ہوتی ہیں۔" یہ جملہ سادہ تھا، مگر عمیر نے اسے "

ایسے سنا

، جیسے یہ کوئی نعمت ہو۔ کچھ فاصلے پر

زیمار یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل عجیب سی بے چینی سے بھر گیا۔

وہ خود نہیں جانتا تھا کہ یہ کیا ہے— بس اتنا جانتا تھا کہ عائشہ کا اس طرح کسی اور

سے

بات کرنا... اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

یہ فضول ہے،" اس نے خود کو سمجھایا۔"

ہم تو بس کزن ہیں۔" مگر دل دلیل نہیں مانتا۔"

عائشہ کو عمیر کے ساتھ بیٹھے ہوئے عجیب سا سکون محسوس ہوتا تھا۔

،ایسا لگتا تھا جیسے وہ اسے جانتی ہو—— کسی پچھلی زندگی سے

"،یا کسی دعا سے۔"آپ کم بولتے ہیں

اس نے آہستہ سے کہا۔ عمیر نے نظریں جھکا لیں۔

کچھ کہانیاں بولنے سے پہلے وزن مانگتی ہیں۔" عائشہ خاموش ہو گئی۔"

——اسے لگا، جیسے اس کے سامنے بیٹھا لڑکا خود ایک کہانی ہے

گہری، ادھوری، اور صبر سے بھری ہوئی۔ زیمار نے صحن سے نظریں ہٹا لیں۔

"اس کے سینے میں عجیب سی جلن تھی۔"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

"وہ بڑبڑایا۔"میں کیوں پریشان ہوں؟

اس نے خود سے وعدہ کیا کہ وہ ان احساسات کو نام نہیں دے گا۔

کیونکہ مان لینا... کمزوری لگتا تھا۔

اسی رات، حِرا کے والد ڈرائنگ روم میں بیٹھے فون پر بات کر

..."رہے تھے۔ "بہن جی

"ان کی آواز سنجیدہ تھی۔ "اب وقت آگیا ہے کہ بچوں کو سچ بتایا جائے۔

فون کے دوسرے سرے پر خاموشی تھی۔ "عمیر کا باپ آپ لوگوں کے جانے

کے بعد شہید ہو گئے تھے۔ ایک احسان آپ نے اس وقت کیا تھا، ایک

احسان عمیر کو اپنے گھر میں رکھ کر۔ ورنہ کون غیروں کو اپنے گھر میں داخل کرتا

"،ہے

انہوں نے آہستہ کہا۔ مجھ دکھ ہوا سن کر۔ وہ بہت نیک آدمی تھے۔ انھوں

نے ہماری بھی مدد کی تھی لیکن

وہ بات ہمیشہ چھپی نہیں رہ سکتی۔" کچھ لمحوں بعد عمیر کی ماں سائرہ کی بھری ہوئی

"آواز آئی: "نہیں... پلیز نہیں۔

وہ بچے نہیں رہے،" حِرا کے والد نے نرمی سے کہا۔"

سچ چھپانا بھی ایک بوجھ ہوتا ہے۔" "میں نہیں چاہتی کہ میرا بیٹا مجھ سے سوال"

کریں کہ

مجھ سے کیوں دور کیا اسے،" وہ بولیں۔

میں نے اسے بچانے کے لیے یہ خاموشی چنی ہے۔" فون بند ہو گیا۔"

کمرے میں خاموشی پھیل گئی — ایسی خاموشی جو دل پر وزنی ہوتی ہے۔

اسی وقت چھت پر، عمیر آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے دل میں ایک انجانا سا درد اٹھا — جیسے کوئی حقیقت دروازے پر دستک دے رہی ہو۔

— نیچے صحن میں عائشہ ہنس رہی تھی۔ وہ ہنسی عمیر کے دل میں اتر گئی

اور زیمار کے دل میں کانٹے کی طرح چبھ گئی۔ حِرا یہ سب دیکھ رہی تھی۔

چہرے، خاموشیاں، نظریں — سب کچھ۔

اسے احساس ہوا: یہ سب کھیل نہیں رہا۔

، یہ محبت تھی — کوئی مانی ہوئی، کوئی انکاری

، اور کوئی بے نام۔ اور ان سب کے اوپر

ایک سچ... جو جلد سب پر ثِقَل بننے والا تھا۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ سرگودھا کے گھر میں سب سو چکے تھے، مگر حِرا

کے دل میں نیند اترنے سے انکار کر رہی تھی۔ اسے اپنے والد کی آواز یاد آ رہی

تھی —

بچوں کو سچ بتا دینا چاہیے ”... وہ آہستہ سے اٹھی اور والد کے کمرے کے “

دروازے

”پر دستک دی۔ “ابو...؟” “آؤ بیٹا۔

کمرے میں ہلکی سی پیلی روشنی تھی۔ والد کرسی پر بیٹھے کچھ کاغذات دیکھ رہے

تھے۔ حرا کی ماں سو

چکی تھی۔ حِرا نے دروازہ بند کیا اور سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

آپ کس سچ کی بات کر رہے تھے؟” اس کی آواز میں نرمی تھی، مگر سوال “

سیدھا۔

والد نے چونک کر سر اٹھایا۔ ایک لمحے کو ان کی آنکھوں میں تذبذب آیا — پھر وہ

”مسکرا دیے۔ “کون سا سچ؟

”انہوں نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔ “وہی... جو آپ فون پر کہہ رہے تھے

"حِرا نے نظریں جھکائیں، مگر پیچھے نہ ہٹی۔" کہ سچ چھپانا بھی بوجھ ہوتا ہے۔

کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔ دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک صاف سنائی دے رہی تھی۔ والد نے گہری سانس لی۔

"حِرا، کچھ سچ وقت مانگتے ہیں۔ ہر بات ہر عمر میں نہیں بتائی جاتی۔"

میں بچی نہیں رہی،" وہ آہستہ سے بولی۔"

"والد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔" اور یہی بات مجھے ڈراتی ہے۔

—حِرا کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر لفظ نہیں ملے۔ اسے محسوس ہوا یہ سچ ابھی نہیں، مگر بہت قریب ہے۔ وہ خاموشی سے کمرے سے نکل آئی۔

اس کے دل میں سوال تھا— اور سوال خود ایک ثِقَل ہوتا ہے۔

اسی رات، عمیر چھت پر بیٹھا تھا۔

ہوا میں ہلکی سی سردی تھی، اور آسمان ستاروں سے بھرا ہوا۔

مگر اس کا دل کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔ حِرا۔

وہ خود سے چونک گیا۔ یہ نام کب دل میں اترا، اسے یاد نہ رہا۔

،اسے یاد آیا— حِرا کی خاموش نظریں

اس کی باتوں میں احتیاط، اوراس کا وہ انداز جیسے وہ دوسروں کے دکھ بھی

اپنے دل میں رکھ لیتی ہو۔ عمیر نے آنکھیں بند کر لیں۔

میں یہاں کیوں آیا؟" اس نے خود سے سوال کیا۔"

پاکستان—— سکون، تحفظ، عام دن۔اور فلسطین—— جہاں ہر دن خود کو خوف سے

جوڑ

...کر جینا پڑتا ہے۔" "اگر میں واپس گیا"

"اس کا دل دھڑکا۔ "تو کیا میں پھر اسی خوف میں جینا چاہوں گا؟

اور پھر ایک اور سوال، جو اس سے بھی بھاری تھا: "اگر میں یہاں رہا... تو کیا یہ

"بھاگنا کہلائے گا؟

اسے اپنی ماں کی آنکھیں یاد آئیں—— وہ خوف، وہ دعا۔

اور پھر مسجدِ اقصیٰ کا سنہری گنبد—— مضبوط، خاموش، ثابت قدم۔

میں بزدل نہیں ہوں،" وہ آہستہ سے بولا۔"

——مگر میں کمزور بھی نہیں بننا چاہتا۔" حِرا کی صورت دل میں ابھری"

اوراس کے ساتھ ایک جھجک۔ کیا میں کسی کو اپنے ساتھ اس خوف کی دنیا میں لے

جاسکتا ہوں؟ یہ سوال محبت سے بڑا تھا۔

اور شاید اسی لیے— زیادہ دردناک۔

نیچے کمرے میں حِرا اپنی کھڑکی کے پاس کھڑی آسمان دیکھ رہی تھی۔

—کسی انجانی بے چینی کے ساتھ۔ دو دل

ایک ہی رات، مگر سوال الگ۔

—اور ثِقَل اب خاموش نہیں رہا تھا

وہ فیصلہ بننے لگا تھا۔

اگلی صبح سرگودھا پر ہلکی سی بارش برس رہی تھی۔

آنگن میں گیلی مٹی کی خوشبو پھیل گئی تھی، اور نیم کے پتے بوجھل ہو کر جھک گئے تھے۔

حِرا چھتری ہاتھ میں لیے دروازے کے پاس کھڑی تھی۔

کالج جانے کا وقت ہو رہا تھا، مگر دل عجیب سا بوجھل تھا۔

میں چھوڑ دوں؟" عمیر کی آواز پیچھے سے آئی۔"

"حِرا چونکی۔ "نہیں... آپ کیوں؟

"عمیر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،" بارش میں راستہ مشکل ہو جاتا ہے۔

یہ جملہ معمولی تھا، مگر حِرا کو لگا جیسے کوئی اس کی الجھن سمجھ گیا

ہو۔ راستے میں بارش آہستہ آہستہ تیز ہو گئی۔

سڑک پر پانی جمع تھا، اور ارد گرد سب کچھ دھندلا سا لگ رہا تھا۔

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ پھر حِرا نے ہمت کی۔

آپ فلسطین کو بہت یاد کرتے ہوں گے؟" عمیر نے گاڑی آہستہ کر دی۔"

یاد"... وہ رکا۔"

وہ تو سانس کی طرح ہے۔ چھوٹ نہیں سکتی۔" حِرا نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔"

——پھر یہاں آنا... مشکل نہیں تھا؟" عمیر نے اس کی طرف دیکھا"

پہلی بار کھل کر۔ "مشکل نہیں تھا،" وہ آہستہ سے بولا۔

"الجھاؤ تھا۔" "کیسا الجھاؤ؟"

یہ کہ جہاں خوف روز کا معمول ہو، وہاں سے دور جانا—— کیا خود غرضی ہے؟""

یا خود کو بچانا؟" حِرا خاموش ہو گئی۔

اس کے پاس جواب نہیں تھا، بس احترام تھا۔

اسی وقت پیچھے والی گلی میں، زیمار یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

چھتری، گاڑی، بارش — اور عائشہ دور کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

زیمار کے دل میں جلن اٹھی۔ اس نے مٹھی بھینچ لی۔

"یہ سب زیادہ ہو رہا ہے،" وہ بڑبڑایا۔

عائشہ نے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا کہا؟"

"کچھ نہیں،" وہ فوراً بولا۔

"بس بارش تیز ہے۔" مگر دل میں طوفان تھا۔

کالج کے قریب گاڑی رکی۔ عمیر نے انجن بند کیا۔

"حِرا..." وہ رکا۔

پھر مسکرا کر کہا، "کبھی کبھی انسان دو جگہوں سے محبت کرتا ہے —

اور دونوں ہی اسے ڈرا دیتی ہیں۔" حِرا نے اس کی طرف دیکھا۔

——اس لمحے اسے لگا، وہ صرف بات نہیں کر رہا

"، وہ اعتراف کر رہا ہے۔"ڈر کا مطلب یہ نہیں کہ محبت غلط ہے

——وہ بے اختیار بولی۔ عمیر کی آنکھوں میں ایک لمحے کو روشنی آئی

"، پھر جھجک نے اسے ڈھانپ لیا۔"شاید

"وہ آہستہ سے بولا۔" یا شاید محبت ہی سب سے بڑا امتحان ہے۔

اسی شام، زیمار نے پہلی بار عائشہ سے سخت لہجے میں بات

"، کی۔"تم اس کے ساتھ زیادہ باتیں کر رہی ہو

وہ بے ساختہ بول پڑا۔ عائشہ چونک گئی۔

!"کس کے ساتھ؟" "عمیر کے ساتھ"

"عائشہ کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔" تمہیں کیا مسئلہ ہے، زیمار؟

یہ سوال تیر کی طرح لگا۔ وہ جواب نہ دے سکا۔

کیونکہ سچ یہ تھا—— وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

اسی رات، عمیر اپنے کمرے میں بیٹھا ماں کی تصویر دیکھ رہا

..."تھا۔" امی

...اس نے دل میں کہا۔ "اگر میں یہاں رک گیا

تو کیا میں اقصیٰ سے بے وفا ہو جاؤں گا؟" تصویر خاموش تھی۔

، مگر دل بوجھل ہو گیا۔ اور سرگودھا کی اسی رات

حِرا نے ڈائری میں لکھا: "کچھ لوگ قریب آ کر بھی دور رہتے ہیں، اور کچھ دور ہو

کر بھی دل کے بہت پاس۔

شاید اصل ثِقَل

"اسی فاصلے کا نام ہے۔

رات کا پہر تھا۔ سرگودھا کے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، اور

چھت پر لگے پنکھے کی آواز کمرے کی خاموشی کو توڑ رہی تھی۔

عمیر بستر کے کنارے بیٹھا موبائل ہاتھ میں تھامے دیر تک اسکرین دیکھتا رہا۔

ـــــآخر کار اس نے ہمت کی اور نمبر ملایا۔ کچھ رنگز کے بعد آواز آئی

...”عمیر؟“ ”امی“

خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد اس نے اپنے دل کا حال بیان کر دیا تھا۔

اس کی آواز کانپ گئی۔

میں... میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔” دوسری طرف خاموشی چھا“ گئی۔

”ماں اسے جانتی تھی—یہ خاموشی معمولی نہیں تھی۔“ کہو بیٹا۔

”عمیر نے آنکھیں بند کر لیں۔“ مجھے.... محبت ہو گئی ہے۔

،فون کے اُس پار سانس رک سی گئی۔ پھر ماں نے آہستہ پوچھا

”کہاں کی ہے وہ؟“ ”پاکستان کی“

”وہ فوراً بولا۔“ بہت سمجھدار ہے، بہت... مضبوط۔

:چند لمحوں بعد ماں کی آواز آئی—بھری ہوئی، مگر مضبوط

بیٹا... وہ کیوں تمھارے ساتھ آئے گی؟” عمیر چونکا۔“

...''امی؟'' ''فلسطین''

وہ بولی، ''جہاں موت سروں پر منڈلاتی ہے۔

جہاں مائیں بچوں کو باہر جانے سے روکتی ہیں۔ جہاں محبت بھی خوف کے ساتھ جیتی ہے۔''

''، عمیر کے دل میں درد اٹھا۔''امی، شاید'' — ''نہیں، عمیر

ماں نے بات کاٹ دی۔ ''محبت خودغرض نہیں ہوتی۔

وہ کسی اور کو خطرے میں نہیں ڈالتی۔'' عمیر خاموش ہو گیا۔

اس کے پاس جواب نہیں تھا — کیونکہ یہ سچ تھا۔

،اسی وقت، نیچے صحن کے قریب

،حِرا کی ماں پانی لینے کے لیے نکلی تھیں۔ دروازہ نیم بند تھا

اور عمیر کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔...''جہاں موت سروں پر منڈلاتی ہے''...

وہ ٹھٹک گئیں۔ ان کا دل زور سے دھڑکا۔

—وہ ایک ماں تھیں

،اور مائیں لفظوں سے زیادہ مفہوم سن لیتی ہیں۔اگلی صبح

ناشتے کی میز پر حِرا کے والد اخبار پڑھ رہے تھے۔ان کے علاوہ ان کی بیوی ہی

صرف موجود

تھی جو کچھ کہنے کے لیے بے چین تھی۔

میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں،" حِرا کی ماں نے دھیرے سے کہا۔"

"انہوں نے نظر اٹھائی۔" کہو۔

یہ جو لڑکا ہے نا... عمیر،" انہوں نے احتیاط سے لفظ چنے۔"وہ شریف ہے،"

،میں مانتی ہوں۔ مگر... گھر میں جوان بیٹی ہو

توکسی غیر مرد کو زیادہ دیر ٹھہرانا"... جملہ ادھورا رہ گیا، مگر مطلب پورا تھا۔

آپ دبے لفظوں میں اسے ہاسٹل جانے کا کہہ دیں،" ویسے بھی سرگودھا سے"

لاہور جانے میں بہت زیادہ

وقت لگتا ہے۔

وہ بولیں۔‘‘بات بڑھے اس سے پہلے۔’’ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ حِرا کے

والد نے اخبار بند کیا۔

’’ان کی آواز پر سکون تھی، مگر فیصلہ کن: ‘‘نہیں۔

کیوں ؟’’ وہ چونکیں۔‘‘

’’ کیونکہ ہم کسی کے کردار پر شک کی بنیاد پر فیصلے نہیں کرتے‘‘

انہوں نے کہا۔‘‘اور نہ ہی کسی کی نیت پر۔

یہ گھر عزت سے چلتا ہے، خوف سے نہیں۔’’ اور ویسے بھی ہاسٹل میں کون خیال

رکھے گا اس کا

اسی لیے میں نے خود ہی اسے ہاسٹل جانے سے منع کر دیا ہے۔ وہ یہاں سے ہی-

یونیورسٹی جائے گا۔

—— حِرا کی ماں خاموش ہو گئیں۔ وہ جانتی تھیں

یہ انکار معمولی نہیں تھا۔

ادھر، زیمار کے دل میں ایک الگ ہی کہانی پل رہی تھی۔

وہ عائشہ کو دور سے دیکھ رہا تھا— کتاب ہاتھ میں، بال کان کے پیچھے اڑ سے ہوئے۔

اب اس کا دل صرف بے چین ہی نہیں تھا، وہ چاہت بننے لگی تھی۔

وہ چاہتا تھا: کہ عائشہ ہنسے تو اس کے سامنے

پریشان ہو تو اسے بتائے اور کسی اور کی طرف دیکھے تو... دل دکھے

..."وہ اب انکار نہیں کر پا رہا تھا۔" شاید

"اس نے خود سے کہا،" یہ محبت ہے۔

اور یہ مان لینا— اس کے لیے سب سے مشکل تھا۔

اسی رات، عمیر نے ماں کی باتوں کو بار بار یاد کیا۔

محبت کسی کو خطرے میں نہیں ڈالتی"... اس نے چھت پر کھڑے ہو کر آسمان" دیکھا۔

ستارے وہی تھے— مگر دل بوجھل۔

—نیچے، حرا اپنے کمرے میں بیٹھی تھی

بے خبر کہ کتنے فیصلے اس کے نام پر ہو رہے ہیں۔اور ثِقَل

اب صرف دلوں میں نہیں رہا تھا—— وہ رشتوں کے بیچ کھڑا ہو چکا تھا۔

سرگودھا کی دوپہر غیر معمولی طور پر گرم تھی۔ صحن میں دھوپ تیز تھی، مگر گھر

کے اندر ایک

اور ہی حدت پھیلی ہوئی تھی——جذبات کی۔زیمار دروازے کے قریب کھڑا تھا

جب عمیر باہر

جانے کے لیے جوتے پہن رہا تھا۔چند لمحوں کی خاموشی کے بعد زیمار نے بولنے کا

"فیصلہ کیا۔"تم اکثر حِرا کے ساتھ نظر آتے ہو۔

عمیر نے چونک کر سر اٹھایا۔"یہ گھر ہے،" اس نے آہستہ کہا۔

سب ایک ہی جگہ رہتے ہیں۔" زیمار کے ہونٹ بھنچ گئے۔"

یہ گھر ہے، مگر حدیں بھی ہیں۔" یہ لفظ سید ھا دل پر لگا۔"

عمیر نے گہری سانس لی۔"اگر میری موجودگی کسی کو مشکل میں ڈال رہی

ہے——"

مسئلہ موجودگی کا نہیں،" زیمار نے بات کاٹ دی۔"

مسئلہ نیت کا ہے۔" ایک لمحے کو فضا تن گئی۔"

"پھر عمیر نے نظریں جھکا لیں۔" نیت پر فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔

—زیمار کے پاس جواب نہیں تھا۔ کیونکہ سچ یہ تھا

،وہ غیرت اور جیلسی کے بیچ کھڑا تھا۔ اسی وقت

عائشہ صحن کے کونے میں کھڑی یہ سب سن رہی تھی۔

—اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ پہلی بار سمجھ رہی تھی

کہ خاموشی کے پیچھے بھی کہانیاں ہوتی ہیں۔

زیمار کی آواز میں جو کھردرا پن تھا، وہ اسے ڈرا بھی رہا تھا

،اور کہیں نہ کہیں... چھو بھی رہا تھا۔ ادھر

"، حرا اپنی ماں کے کمرے میں بیٹھی تھی۔" امی، آپ پریشان لگ رہی ہیں

اس نے آہستہ سے کہا۔ ماں نے چونک کر دیکھا۔

کچھ نہیں بیٹا۔" حرا نے انکار میں سر ہلایا۔"

—آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔" ماں نے بیٹی کو غور سے دیکھا"

"،اب وہ بچی نہیں رہی تھی۔" بس اتنا سمجھ لو

وہ دھیرے سے بولیں، ''کہ محبت اگر وقت سے پہلے آجائے تو مسئلہ بن

جاتی ہے۔'' حِرا خاموش ہو گئی۔

، یہ جملہ دل میں کہیں گڑ گیا۔ شام کو

عمیر اکیلا مسجد کی طرف گیا۔ وہاں بیٹھ کر اس نے دیر تک دعا کی۔

یااللہ... اگر یہ محبت میرے لیے آزمائش ہے''

تو مجھے اس میں سیدھا رکھ۔ اور اگر یہ خیر ہے

: تو اس کے راستے آسان کر دے۔'' اس کے دل میں ایک ہی سوال تھا

، کیا میں کسی اور کی زندگی کا بوجھ اٹھا سکتا ہوں؟ اسی دوران

زیمار چھت پر بیٹھا عائشہ کو نیچے جاتے دیکھ رہا تھا۔

عائشہ ''... وہ بے اختیار بولا۔''

''وہ رکی، مڑی۔'' ہاں؟

زیمار نے کچھ کہنا چاہا، مگر لفظ ساتھ نہ دے سکے۔

کچھ نہیں،'' وہ آخر کار بولا۔''

عائشہ مسکرادی—— ایک ایسی مسکراہٹ جو زیمار کے دل میں بس گئی۔

وہ جان گیا—— یہ احساس اب وقتی نہیں رہا تھا۔

رات کو حِرا نے ڈائری کھولی۔ ''ہر شخص کسی نہ کسی حد پر کھڑا ہے۔

،کوئی خوف کی، کوئی غیرت کی

اور کوئی محبت کی۔اور سب کو ڈر ہے

''کہ کہیں وہ حد پار نہ ہو جائے۔

سردیوں کی دھوپ آہستہ آہستہ صحن میں پھیل رہی تھی۔

——سرگودھا کے اس گھر میں اب دنوں کی رفتار بدل چکی تھی

بچپن پیچھے رہ گیا تھا،اور مستقبل دروازے پر تھا۔

عمیر اپنی فائنل سمسٹر کی فائلیں سمیٹ رہا تھا۔پروجیکٹ مکمل ہو چکا تھا،

پریزنٹیشن کی تاریخ

قریب تھی۔ کبھی وہ کتابوں پر نظر ڈالتا، کبھی کھڑکی سے

باہر—— جہاں سکون تھا، مگر دل میں نہیں۔

حِرااب کالج کے آخری سال میں تھی۔وہ سوشل سائنسز پڑھ رہی تھی——

،انسان، معاشرہ

،جنگ اور امن۔ کبھی کبھی اسے لگتا

وہ مضامین نہیں، اپنے دل کا نقشہ پڑھ رہی ہے۔

عائشہ یونیورسٹی میں لٹریچر کے ساتھ ساتھ آن لائن جرنلز کے لیے لکھنے لگی تھی۔

لفظ اس کی پناہ تھے، اور خاموشی اس کی عادت۔

زیمار بزنس اسٹڈیز میں تھا—— عملی، حسابی، مگر دل اب حساب نہیں مانتا تھا۔

وہ ذمہ داری سیکھ رہا تھا، اور احساس... چپ چاپ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

شام کے وقت سب ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔ٹی وی چل رہا تھا——پس منظر کی آواز کی طرح۔

اچانک اینکر کی آواز بدلی۔"ناظرین، فلسطین میں حالات ایک بار پھر کشیدہ ہو گئے ہیں"—— عمیر کا ہاتھ رک گیا۔

،دل نے جیسے ایک لمحے کو سانس لینا چھوڑ دیا۔اسکرین پر دھواں، بھاگتے لوگ

——"اور مسجدِ اقصیٰ کے آس پاس کی فوٹیج۔"فضائی حملوں میں شدت

عمیر اٹھ کر ٹی وی کے قریب چلا گیا۔ آنکھیں اسکرین میں دھنس گئیں۔

——عائشہ کے ہاتھ سے قلم گر گیا۔ اس کے دل میں عجیب سی بے چینی اٹھی

ایسی بے چینی جو کسی اور کی نہیں لگتی تھی۔ حِرا نے غیر ارادی طور پر عمیر کی

طرف دیکھا۔

،اس کے چہرے پر وہی درد تھا—— جسے وہ پہچانتی تھی

...''اور جس سے وہ ڈرتی بھی تھی۔'' یااللہ

حِرا کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ عمیر نے موبائل نکالا۔ نیٹ ورک کمزور تھا۔

...''ایک کے بعد ایک کال——بے جواب۔'' امی

اس نے سرگوشی کی، جیسے آواز وہاں تک پہنچ جائے۔

:عائشہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا—— اور پہلی بار اس نے مانا

یہ بے چینی صرف ہمدردی نہیں۔ زیمار خاموش تھا۔

،مگر اس کی نظریں سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ اسی لمحے

زیمار کے والد نے آہستہ سے اپنے بھائی——وقاص—— کی طرف دیکھا۔

آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک اشارہ تھا۔ دیکھ رہے ہو؟

یہ لڑکی کی بے چینی عام نہیں۔ حِرا کے والد نے کچھ نہیں کہا۔

—— مگر ان کی نظر حِرا پر ٹھہر گئی

اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی، اور بار بار عمیر کی طرف اٹھتی نگاہیں۔

انہوں نے گہری سانس لی۔ یہ سچ اب زیادہ دیر پردے میں نہیں رہ سکتا تھا۔

ٹی وی بند ہو گیا، مگر خبر بند نہیں ہوئی۔

—— عمیر خاموشی سے باہر صحن میں آ گیا۔ آسمان کی طرف دیکھا

وہی ستارے، مگر دل میں اندھیرا۔

، حِرا چند قدم کے فاصلے پر رک گئی۔ کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی

مگر خاموش رہنا بھی ممکن نہیں تھا۔ عائشہ نے دل ہی دل میں دعا کی —— اور

زیمار نے پہلی بار محسوس کیا

کہ حسد کے پیچھے خوف بھی ہوتا ہے —— کھو دینے کا خوف۔

اس گھر میں سب تعلیم مکمل کرنے کے قریب تھے، مگر آج

کسی نے کتاب نہیں کھولی۔

،کیونکہ جب وطن جلتا ہے

توڑ گریاں بھی بوجھ بن جاتی ہیں۔اور ثِقَل

اب خبر کی صورت ہر دل میں اتر چکا تھا۔

رات غیر معمولی طور پر خاموش تھی۔ سرگودھا کے اس گھر میں، جہاں کبھی ہنسی

کی

آوازیں دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آتی تھیں، آج ہر کمرہ اپنے اندر ایک الگ کہانی

چھپائے بیٹھا

تھا۔عمیر صحن میں اکیلا کھڑا تھا۔

ہاتھ میں موبائل، اسکرین روشن — مگر دل اندھیرے میں۔

"آخرکار فون بجا۔"امی...؟

دوسری طرف آواز کانپ رہی تھی۔

بیٹا... حالات بہت خراب ہو رہے ہیں۔آج محلے کے قریب بھی دھماکہ ہوا"

ہے۔" عمیر نے آنکھیں بند کر لیں۔

دل جیسے سینے میں سمٹ گیا ہو۔ ''امی، آپ ٹھیک ہیں نا؟'' ''ہم ٹھیک ہیں، لیکن''...

''ایک توقف۔ ''بیٹا، اب یہاں رہنا دن بدن مشکل ہو رہا ہے۔

—— عمیر خاموش ہو گیا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی چہرہ ابھرا

، حِرا۔ کمرے کے اندر

''حِرا اپنی ماں کے سامنے بیٹھی تھی۔ ''امی... اگر عمیر واپس فلسطین چلا گیا تو؟

اس کی آواز مدھم تھی، مگر سوال بہت بڑا۔

ماں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''بیٹی، کچھ رشتے مانگنے سے پہلے ہی قربانی مانگتے ہیں۔'' حِرا نے سر جھکا لیا۔

دل مان رہا تھا، مگر عقل ڈرا رہی تھی۔

دوسری طرف، عائشہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔

، ہاتھ میں ڈائری —— لفظ لکھنے کو بے تاب

، مگر دل الجھا ہوا۔ اسے عمیر کی پریشانی نظر آ رہی تھی

اور زیمار کی خاموشی بھی۔ زیمار اس وقت اپنے کمرے میں تھا۔

کتاب کھلی تھی، مگر ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

کیا واقعی میں حسد کر رہا ہوں؟ اس نے خود سے سوال کیا۔

یا میں صرف ہارنے سے ڈر رہا ہوں؟

:عائشہ کا خیال آیا— اور دل نے پہلی بار اقرار کیا

،یہ دوستی سے آگے کی بات ہے۔ رات کے پچھلے پہر

حِرا کے والد نے عمیر کو اپنے پاس بلایا۔ ''بیٹا، تمہاری پڑھائی مکمل ہونے والی

ہے۔ آگے کیا

ارادہ ہے؟'' عمیر نے نظریں جھکا لیں۔

انکل... فلسطین۔ امی اکیلی ہیں۔'' کمرے میں خاموشی چھا گئی۔''

،اور حِرا؟'' یہ سوال آہستہ تھا''

مگر وزن دار۔ عمیر کی آواز لڑکھڑا گئی۔

میں... میں اسے خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔'' دروازے کے باہر حِرا کھڑی''

تھی۔

ہر لفظ اس کے دل پر آ کر گرا۔ اس نے پلکیں بند کر لیں۔

یہی سچ تھا—— اور یہی سب سے بھاری۔

اگلے دن عمیر نے ٹکٹ بُک کروالیا۔

کسی کو بتایا نہیں۔

،نہ حِرا کو

نہ عائشہ کو۔ صرف زیمار جانتا تھا۔

تم جا رہے ہو؟" زیمار نے پوچھا۔"

ہاں۔" عمیر نے مختصر جواب دیا۔"

زیمار نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں محبت تھی،اور قربانی بھی۔

حِرا کو بتاؤ گے؟" عمیر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔"

کچھ سچ کہے بغیر بھی نبھا لیے جاتے ہیں۔" اسی شام"

: حِرا نے آسمان کی طرف دیکھا۔ دل نے پہلی بار کھل کر مانا

وہ عمیر سے محبت کرتی ہے۔ اور اسی لمحے

اس نے پہلی بار خود سے وعدہ کیا—— کہ وہ اسے روکنے کی کوشش نہیں کرے

گی۔

کیونکہ

کچھ محبتیں خود کو تھام کر

دوسروں کو آزاد کر دیتی ہیں۔اور ثِقَل

اب محبت، وطن اور تقدیر—— تینوں کا ہو چکا تھا۔

، صبح غیر معمولی طور پر خاموش تھی۔ایسی خاموشی جس میں آوازیں نہیں ہوتیں

صرف دل بولتے ہیں۔ سرگودھا کے اس گھر میں

سب جاگ رہے تھے، مگر کوئی سوال نہیں کر رہا تھا۔

عمیر نے بیگ بند کیا۔ کپڑوں کے نیچے

،ایک تہہ شدہ کاغذ رکھا تھا—— کچھ لکھا ہوا

کسی ایک کے لیے نہیں۔ڈرائنگ روم میں حِرا بیٹھی تھی۔

،چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی

جیسے وقت اس کے سامنے رک گیا ہو۔دروازہ کھلا۔

عمیر آیا۔چند لمحے

’’دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے رہے۔‘‘جا رہے ہو؟

’’حِرا نے آہستہ سے پوچھا۔‘‘ہاں۔

’’بس ایک لفظ۔‘‘واپس...؟

’’عمیر نے نظریں چرا لیں۔‘‘اگر زندگی نے اجازت دی۔

یہ جواب نہیں تھا، بس تقدیر کا حوالہ تھا۔

’’خیال رکھنا۔‘‘ ’’تم بھی۔‘‘

اس بار اس نے مسکرانے کی کوشش نہیں کی۔

وہ چلا گیا۔دروازہ بند ہوا

اور حِرا کو لگا کچھ اس کے اندر بند ہو گیا ہے۔

چھت پر عائشہ کھڑی تھی۔

——اس کی نظریں عمیر کے بیگ پر نہیں تھیں، بلکہ اس کی پیشانی پر

جہاں وہی پرانا زخم تھا، وہ زخم جو کسی اسرائیلی حملے کا نتیجہ تھا۔

"زیماراس کے پاس آیا۔ "تم ٹھیک ہو؟

اس نے محسوس کیا، آج عائشہ مختلف ہے۔

،ہاں"... اس نے دھیرے سے کہا"

"بس کچھ یادیں جاگ گئی ہیں۔" "عمیر کے جانے کی؟"

عائشہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر نظریں آسمان کی طرف اٹھالیں۔

،عمیر میری زندگی کا حصہ ہے"

"مگر اُس طرح نہیں جس طرح سب سمجھتے ہیں۔

زیمار خاموش ہو گیا۔ یہ جملہ

محبت کا نہیں تھا، مگر وزن رکھتا تھا۔

،کچھ رشتے نام نہیں مانگتے"

صرف سچ مانگتے ہیں۔" عائشہ نے آہستہ سے کہا۔

اسی وقت نیچے صحن میں

عمیر رکا۔ اس نے پلٹ کر اوپر دیکھا۔

،عائشہ اور اس کی نظریں ایک لمحے کو ملیں۔ کوئی الوداع نہیں تھا

—— کوئی آنسو نہیں۔ بس ایک خاموش وعدہ

جو لفظوں سے پرانا تھا۔ زیمار نے پہلی بار محسوس کیا

کہ عائشہ کے دل میں کچھ ایسا ہے

—— جس کا وہ حصہ نہیں۔ مگر عجیب بات یہ تھی

اسے تکلیف نہیں ہوئی، بس تجسس جاگا۔

شام کو حِرا کو کمرے میں وہ کاغذ ملا۔

میں سچ لے کر نہیں جا رہا، سچ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

وقت آنے پر سب واضح ہو جائے گا۔" حِرا نے کاغذ بند کر کے

... قرآن کھولا۔ "یا اللہ

"جس کا بوجھ تو نے مجھے دیا ہے اسے برداشت کی طاقت بھی دے۔

،اور فلسطین کی سرزمین پر عمیر نے قدم رکھا۔ یہ واپسی نہیں تھی

یہ ایک ادھوری کہانی کا اگلا باب تھا۔ کیونکہ

کچھ رشتے محبت سے نہیں

رازسے جڑے ہوتے ہیں۔اور ثِقَل

اب راز کا ہو چکا تھا۔

رات گہری ہو چکی تھی۔گھر کے پچھلے کمرے میں

حِرا کے والد اور والدہ آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے۔

...دروازہ آدھا بند تھا۔ ''ہم نے بہت پہلے وعدہ کیا تھا

والد نے کہا۔ ''کہ یہ بات کبھی زبان پر نہیں آئے گی۔

،ماں کی آواز بھر آئی۔ ''میں جانتی ہوں

...مگر جب میں عائشہ کو دیکھتی ہوں تو ڈر لگتا ہے

کہ کہیں وہ سب دوبارہ نہ لوٹ آئے۔'' کچھ لمحے خاموشی رہی۔

پھر والد بولے: ''حملہ صرف ایک دن نہیں تھا۔

،اس دن کے بعد کچھ رشتے بنے تھے

:اور کچھ ٹوٹ گئے تھے۔'' ماں نے آہستہ سے کہا

اور حِرا... اگر اسے کبھی معلوم ہوا''

”تو وہ اسے سنبھال نہیں پائے گی۔“ ”وہ ہم سے زیادہ مضبوط ہے۔

والد نے جواب دیا۔“بس وقت درست ہونا چاہیے۔

”اور زیمار کو بھی کبھی اس دائرے میں نہیں آنا چاہیے۔

کمرے کے باہر حِرا ساکت کھڑی تھی۔

،ایک ایک لفظ اس کے دل میں اتر رہا تھا

مگر تصویر مکمل نہیں ہو رہی تھی۔بس اتنا سمجھ آگیا تھا

کہ : عائشہ اور عمیر کے درمیان

کچھ ایسا ہے جو دوستی نہیں

وہ بات ایک پرانے دن سے جڑی ہے

اور وہ دن خون، خوف اور ملبے کا تھا

،حِرا نے دروازے سے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگالی۔یہ تفصیل نہیں تھی

یہ انکشاف تھا۔وہ اپنے کمرے میں آگئی۔

اب جب بھی وہ عائشہ کو دیکھتی—— دل دکھتا۔

نہ حسد تھا، نہ شکایت۔

بس ایک ایسا دکھ جو کسی اور کے بوجھ کو سمجھ لینے سے آتا ہے۔

،زیمار کے لیے بھی دل اداس ہو جاتا—— وہ محبت میں آگے بڑھ رہا تھا

اور اسے معلوم نہیں تھا کہ کچھ کہانیاں

محبت سے پہلے شروع ہو جاتی ہیں۔ حِرا نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔

وہ واحد شخص تھی جو اب جانتی تھی کہ اس کہانی میں

کچھ دروازے ہمیشہ بند رہیں گے۔

اور یہی ثِقَل تھا۔

ادھر پاکستان میں سڑکیں بھر چکی تھیں۔

،ہاتھوں میں فلسطین کے جھنڈے، لبوں پر نعرے

آنکھوں میں غصہ اور درد۔

!""فلسطین زندہ باد"" ! ""ظلم نامنظور""

——سرگودھا ہی نہیں، لاہور، کراچی، اسلام آباد

ہر شہر گواہ تھا۔ ٹی وی پر بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔

حکومتِ پاکستان کا بیان: فلسطین پر حملوں کی شدید مذمت

معصوم شہریوں کے قتل کو جنگی جرم قرار دینا اقوامِ متحدہ سے فوری مداخلت کا

مطالبہ

فلسطینی عوام کے ساتھ مکمل یکجہتی

فلسطین کی صبحیں اب اذان سے نہیں، سائرن سے پہچانی جاتی تھیں۔

، عمیر چیک پوسٹ کے قریب رکا۔ سامنے مڑی ہوئی سڑک

—ایک طرف جلتی ہوئی عمارت کا ڈھانچا، اور دوسری طرف بند دروازے

جن کے پیچھے زندگیاں دبک کر سانس لے رہی تھیں۔ سپاہی نے اشارہ کیا۔

کاغذات دوبارہ دیکھے گئے۔ نگاہیں دوبارہ تولی گئیں۔ عمیر نے نظر جھکالی۔

—یہاں آنکھیں ملانا بھی سوال بن جاتا تھا۔ دور مسجدِ اقصیٰ کے مینار نظر آئے

، دھوئیں کے پردے میں بھی قائم

...خاموش، مضبوط۔ یااللہ

اس نے دل میں کہا، اس شہر کو اپنی امان میں رکھ۔

اسی وقت ایک تنگ گلی میں

،عمیر کی ماں ہاتھ اٹھائے بیٹھی تھی۔الفاظ ہونٹوں سے نہیں نکل رہے تھے

...بس آنسو بول رہے تھے۔"یا اللہ

جس کے لیے یہ دل ڈرتا ہے اسے بھی بچا لینا۔

"اور جس کے لیے یہ بیٹا خاموش ہے اس کے دل کو بھی سلامت رکھنا۔

اس نے نام نہیں لیا۔کچھ دعائیں

نام مانگتی ہی نہیں۔پاکستان میں

سڑکیں پھر بھر گئیں۔بینرز، نعرے، سیاہ پٹیاں—

غصہ، غم اور بے بسی ایک ساتھ۔ٹی وی پر ایک ہی خبر بار بار چل رہی تھی۔

حکومت کا مؤقف دہرایا جا رہا تھا، مذمت، مطالبہ، اور وعدے۔حِرا نے اسکرین بند کر دی۔

شور باہر تھا، مگر شور اس کے اندر بھی تھا۔

عائشہ کمرے میں داخل ہوئی۔ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

،اس نے ہلکے لہجے میں کہا۔ حِرا نے کپ لے لیا

مگر نگاہ نہیں اٹھائی۔ ایک لمحے کو

،عائشہ نے اسے غور سے دیکھا— جیسے کچھ پوچھنا چاہتی ہو

...مگر پوچھ نہ پا رہی ہو۔"حِرا

وہ رکی۔"اگر کبھی تمہیں لگے

کہ کوئی بات دل پر بوجھ بن رہی ہے

تو—"

،میں ٹھیک ہوں۔" حِرا نے فوراً کہا۔ یہ جواب نہیں تھا"

یہ دروازہ بند کرنا تھا۔ عائشہ خاموش ہو گئی۔

خاموشی میں وہی پرانا وقار تھا— اور وہی ادھورا دکھ۔

حِرا نے نظریں چرا لیں۔

اب اسے معلوم تھا کہ کچھ سوال

پوچھے بغیر ہی بھاری ہوتے ہیں۔

چھت پر زیمار تنہا کھڑا تھا۔

شہر کی لائٹس نیچے جھلملا رہی تھیں، مگر اس کے دل میں ایک سایہ سا تھا۔

"عائشہ اوپر آئی۔" کیا سوچ رہے ہو؟

..."اس نے پوچھا۔" یہی کہ

زیمار نے آہستہ کہا، "کچھ چیزیں مجھ سے چھپائی جا رہی ہیں۔" عائشہ نے مسکرا کر

آسمان کی طرف دیکھا۔

ہر راز چھپانے کے لیے نہیں ہوتا، کچھ راز"

"خود حفاظت مانگتے ہیں۔" "اور میں؟

،زیمار کی آواز میں نرمی تھی

کیا میں اس حفاظت کے قابل نہیں؟" عائشہ نے جواب نہیں دیا۔"

بس خاموش رہی۔ وہ خاموشی

حِرا کے دل میں بھی اتر گئی—— جو نیچے کمرے میں

یہ سب سن نہیں رہی تھی، مگر محسوس ضرور کر رہی تھی۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ حِرا اپنے بستر پر بیٹھی

ہاتھوں کو آپس میں باندھے تھی۔ اب وہ جانتی تھی کہ اس کہانی میں

وہ واحد شخص ہے جس نے دروازے کے پیچھے کی سر گوشی سن لی

ہے۔نہ مکمل سچ،

نہ مکمل جھوٹ—— بس اتنا

کہ سب کے قدم

کسی نہ کسی طرح ایک ہی دن کی طرف لوٹتے ہیں۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ یا اللہ...

اگر یہ بوجھ مجھے دیا ہے تو اسے اٹھانے کی ہمت بھی دینا۔اور اگر مجھے خاموش رکھا

ہے

تو میرے صبر کو گواہ بنا لینا۔

دور فلسطین میں عمیر اپنے گھر کے صحن میں ماں کے ہاتھوں کو چوم رہا تھا۔اس کی

ماں کی آنکھیں نم تھی عمیر کو دیکھ کر۔یہ رب جانتا تھا کہ خوشی کے آنسو ہے یا

کچھ کھو جانے کے۔ایک اور دھماکے کی آواز گونجی۔

عمیر نے دیوار سے لگ کر سانس روکی۔اس کی ماں کے چہرے کا خون نچڑا

تھا۔ شور بلند ہوا تھا۔ کہانی

ایک قدم اور آگے بڑھ گئی۔

——اور ثِقَل اب سوالوں کا تھا

جن کے جواب ابھی وقت نے چھپا رکھے تھے۔

——دوپہر کا وقت تھا، گھر معمول کے شور میں ڈوبا ہوا تھا

، چمچوں کی آواز، دروازے کا چرچرانا

اور ٹی وی پر چلتی خبریں۔ فون کی گھنٹی بجی۔

حِرا قریب تھی، اس نے غیر ارادی طور پر فون اٹھالیا۔

السلام علیکم "—— دوسری طرف "

——"سانسوں کی بے ترتیبی تھی۔" بیٹی... میں عمیر کی ماں بول رہی ہوں

... حِرا کا دل ایک لمحے کو رک گیا۔" عمیر

"عمیر ہسپتال میں ہے۔

الفاظ سیدھے نہیں اترے، گر پڑے۔

کیا... کیا ہوا ہے؟'' حِرا کی آواز کانپ گئی۔''

حملے کے بعد''... آواز ٹوٹ گئی۔''

''اللہ کا شکر ہے جان کو خطرہ نہیں، مگر حالت ٹھیک نہیں۔''

!''فون ہاتھ سے پھسلتے پھسلتے بچا۔''میں آ رہی ہوں

!''حِرا بے اختیار بولی۔''میں ابھی آ رہی ہوں

کال ختم ہو گئی۔اور حِرا

——وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔آنکھوں سے آنسو بہنے لگے

خاموش، بے ترتیب، بے اختیار۔اسی لمحے

''حِرا کے والد اندر آئے۔''کیا ہوا؟

،حِرا نے سر اٹھایا—— آنکھیں سرخ

...آواز ٹوٹی ہوئی۔''ابو

''عمیر ہسپتال میں ہے۔مجھے فلسطین جانا ہے۔

——''کمرے میں خاموشی چھا گئی۔''بیٹا، تم جانتی ہو

نہیں ابو"! وہ پہلی بار اونچی آواز میں بولی۔"

میں نہیں جانتی! مجھے بس یہ معلوم ہے"

!"کہ وہ اکیلا ہے اور میں یہاں بیٹھی ہوں

—"والد نے قدم آگے بڑھایا۔"حِرا، وہاں جانا

مجھے روکیں مت"! وہ روتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔"

!"اگر آج میں نہ گئی تو ساری زندگی خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی"

یہ ضد نہیں تھی، یہ ٹوٹا ہوا حوصلہ تھا۔

دروازے پر عائشہ اور زیمار کھڑے تھے۔

انہوں نے سب سن لیا تھا۔عائشہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

—وہ ایک لمحے کو دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی رہی

جیسے خبر نے اس کی ٹانگوں سے طاقت چھین لی ہو۔

"زیمار نے فوراً پوچھا: "کیا عمیر ٹھیک ہے؟

:کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔عائشہ نے آہستہ سے کہا

"میں دعا کرتی ہوں— وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

مگر اس کی آنکھوں میں ایک ایسا خوف تھا

—جو دعا سے بڑا لگ رہا تھا۔ زیمار نے حِرا کی طرف دیکھا

وہ لرز رہی تھی، مگر فیصلہ اس کی آنکھوں میں تھا۔

،حِرا نے دوبارہ اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ آواز اب دھیمی تھی

... مگر مضبوط۔"ابو

آپ نے ہمیشہ ہمیں سچ اور صحیح کا ساتھ دینا سکھایا ہے۔

"آج میرا صحیح وہاں ہے۔

والد نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ لمحہ

صرف اجازت کا نہیں تھا، یہ بیٹی کو خدا کے سپرد کرنے کا تھا۔

آپ کیسے مان سکتے ہیں؟ بیٹی کو کیسے اکیلا بھیج سکتے ہیں؟اس کی ماں آگے بڑھی تھی۔

میرے ساتھ ہے۔

ہاللہ

امی میں اکیلی نہیں ہوں۔ میرا

اس جواب نے ان کے لب سی دیے تھے لیکن ایک انجانا خوف تھا دل کے کسی

کونے میں۔

دور کہیں ایک ہسپتال کے کمرے میں

،عمیر نے آنکھیں کھولیں۔ روشنی تیز تھی

سانس بھاری۔ اور نجانے کیوں

——اس کے ہونٹوں پر ایک ہی نام آیا

حِرا“... یہ خبر“

گھر کے ہر کمرے میں پھیل گئی تھی۔ کوئی نہیں سویا۔ کوئی نہیں بولا۔

بس دل ایک ہی سمت دھڑک رہے تھے۔

——اور ثِقَل اب فاصلے کا نہیں تھا

یہ زندگی اور موت کے بیچ کھڑا تھا۔

فجر کی اذان ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ حِرا جاگ چکی تھی۔

—آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے تھے، مگر آنکھوں میں نیند نہیں

بس ایک ضد، اور ایک دعا۔

کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھلا۔

حِرا کے والد اندر آئے۔ چند لمحے

،دونوں خاموش کھڑے رہے۔ پھر والد بولے

آواز میں وہی ٹھہراؤ جو فیصلوں سے پہلے آتا ہے۔

تم جانتی ہو"

،کہ میں تمہیں روک رہا تھا اپنے خوف کی وجہ سے

تمہاری نہیں۔" حِرا کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"ابو"—— "تم جاؤ گی۔"

انہوں نے آہستہ کہا۔ "مگر اللہ کے حوالے سے۔

،اور میری دعا کے ساتھ۔'' یہ اجازت نہیں تھی

یہ امانت تھی۔ حِرا نے آگے بڑھ کر

اپنے والد کا ہاتھ تھام لیا۔ لفظ نہیں نکلے، بس آنسو بولے۔

،گھر میں ہلچل مچ گئی۔ کاغذات نکالے گئے

ٹکٹ کے بارے میں باتیں ہوئیں، اور ہر جملے کے آخر میں

ایک دعا جڑی ہوئی تھی۔

عائشہ خاموشی سے حِرا کے کمرے میں آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ

تھا۔

یہ رکھ لو۔'' اس نے بیگ حِرا کی طرف بڑھایا۔''

—— تمہیں ضرورت پڑے گی۔'' حِرا نے دیکھا''

،اس میں دوائیں، ایک تسبیح

''اور ایک تہہ شدہ کاغذ تھا۔'' یہ کیا ہے؟

...عائشہ نے نظریں جھکا لیں۔''بس

''ایک یاد دہانی۔ کہ اکیلی نہیں ہو۔

حِرا نے سوال نہیں کیا۔اب کچھ سوال

پوچھے بغیر ہی رکھے جاتے ہیں۔زیمار دروازے کے پاس کھڑا تھا۔

میں ایئرپورٹ چھوڑ آؤں گا۔" اس نے کہا۔"

اس کی آواز مضبوط تھی، مگر آنکھیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔

خیال رکھنا۔" بس یہی کہہ سکا۔حِرا نے سر ہلایا۔"

"آپ بھی۔اور عائشہ کا بھی۔"

یہ جملہ زیمار کے دل میں کہیں ٹھہر گیا۔

وقاص تم حرا کو کیسے جانے دے سکتے ہو؟ تم بھولو مت وہ زیمار کی منگیتر ہے۔

ایک غیر لڑکے کے لیے تم نے اپنی بیٹی کو ایک ایسے ملک بھیج دیا ہے جہاں سے

واپس آنے کی امید

نہ ہو۔حرا کے جانے کی خبر جیسے ہی عارف کو ملی تھی

وہ بھاگے چلے آئے تھے۔

مجھے لگا تھا آپ مجھے سمجھے گے۔آپ فلسطین کا دکھ سمجھیں گے۔وہاں فلسطین جل رہا ہے۔ہمارے

بہن بھائی شہید ہو رہے ہیں اور آپ کو رشتے کی پڑھی ہوئی ہے۔

انھوں نے افسوس سے کہا تھا۔

بھائی تو فلسطین کو بھی تو چاہیے تھا نہ کہ اپنا دفاعی نظام مضبوط بناتا۔

ایٹم بمب بناتا تا کہ اسرائیل جیسا ملک اس کو کمزور سمجھ کر حملہ نہ کرتا۔

ہم صرف دعائیں ہی کر سکتے ہیں ان کے لیے۔انھوں نے وقاص کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔

وہ اس وقت گھر کے صحن میں کھڑے تھے۔عائشہ جو کہ چھت سے نیچے اتر رہی تھی ان کی باتوں کو

سن کر ادھر ہی سیڑھیوں پر رک گئی تھی۔منگیتر۔۔۔اس کے لب پھڑ پھڑائے تھے اور وہ پھر

واپس دکھی دل کے ساتھ چھت پر چلی گئی تھی۔

دعاؤں کے علاوہ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں خیر وہ بچپن کا رشتہ تھا ویسے بھی حرا اور زیمار ایک

دوسرے کو بہن بھائی اور دوست سے بڑھ کر کچھ نہیں سمجھتے۔اسی لیے میں یہ رشتہ ختم کرتا ہوں۔

امید ہے آپ سمجھیں گے۔انھوں نے اپنے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا جن کے چہرے پر دبہ

دبہ غصہ تھا۔آپ اس غیر لڑکے کو زیمار پر فوقیت دے رہے ہیں

۔انھوں نے سوالیہ پوچھا تھا۔عارف بات فوقیت کی نہیں ہے۔

بات عزت کی ہے۔اگر ہم بچوں پر زبردستی کریں گے تو وہ جوانی کے

جوش میں کچھ الٹا کر لیں گے۔پھر بات وہی ہماری عزت اور تربیت پر آجائیں گی۔

اسی لیے ہمیں سمجھداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔حرا کی بھی حالت تم سے چھپی نہیں ہوئی ہے۔

انھوں نے اپنے بھائی کو پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

بھائی مجھے کچھ وقت چاہیے۔میں غصے میں کچھ کر نہ جاؤں۔یہ کہتے ہوئے وہ وہاں سے نکل گئے تھے۔

اسی وقت فلسطین کے ہسپتال میں

،عمیر نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔دیوار سفید تھی

ہوا میں دواؤں کی بو،اور دور کہیں

——سائرن کی آواز۔اس نے حرکت کرنے کی کوشش کی

،درد نے روک لیا۔نرس نے آگے بڑھ کر عربی میں کہا

"آپ محفوظ ہیں، لیکن آرام ضروری ہے۔"

... عمیر نے آنکھیں بند کر لیں۔یااللہ

اس وقت وہ ایئرپورٹ پر موجود تھے۔اس کے والد اس کو چھوڑنے آئے تھے۔

میں نے کسی کو تکلیف تو نہیں دی؟ایئرپورٹ کی روشنیاں

،حِرا کی آنکھوں کو چبھ رہی تھیں۔امیگریشن کاؤنٹر

،لمبی قطار

اور دل کی دھڑکن جو قدموں سے آگے دوڑ رہی تھی۔

اس نے آخری بار اپنے والد کی طرف دیکھا۔

:انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ حرا نے دل میں کہا

یااللہ... میں نہیں جانتی

مجھے کیوں بلایا گیا ہے، مگر جہاں بھی لے جا رہا ہے

وہاں مجھے مضبوط رکھنا۔ جہاز کے انجن کی آواز گونجی۔

یہ صرف سفر نہیں تھا، یہ تقدیر کا رخ بدلنے کا لمحہ تھا۔

سرگودھا میں عائشہ کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔

ہاتھ میں وہی ڈائری — جس میں کچھ نہیں لکھا جا رہا تھا۔

:زیمار نے آہستہ سے کہا

وہ لوٹ آئے گی نا؟" عائشہ نے جواب نہیں دیا۔"

،بس اتنا کہا: "کچھ لوگ لوٹتے نہیں

بدل جاتے ہیں۔" اور فضا میں

ایک جہاز فلسطین کی سمت بڑھ رہا تھا۔

جس میں ایک لڑکی

اپنے دل سے زیادہ اللہ پر بھروسہ کیے بیٹھی تھی۔

——اور ثِقَل اب قدموں میں تھا

جو پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے۔

ہسپتال کی راہداری لمبی تھی، مگر حِرا کو یوں لگا

جیسے وہ ایک ایک قدم کے ساتھ اپنے اندر کچھ چھوڑتی جا رہی ہو۔

...چہرہ پر سکون رکھا ہوا تھا، مگر دل

دل کانپ رہا تھا۔ ایسا کانپنا

جو ہاتھوں میں نظر نہ آئے، مگر سانسوں کو بے ترتیب کر دے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے عمیر کو دیکھا۔

،وہ لمحہ اس کے لیے صرف ملاقات نہیں تھا

،یہ یقین کا امتحان تھا۔ وہ بیڈ کے پاس کھڑی رہی

آنکھوں سے آنسو بہنے نہیں دیے— کیونکہ وہ جانتی تھی

اگر ایک آنسو گرا تو سب بہہ جائے گا۔

،یااللہ... اس نے دل ہی دل میں کہا

مجھے مضبوط دکھا، کمزور نہیں۔

کھڑکی کے باہر ایک ایمبولینس رکی۔

—سٹریچر پر لایا گیا بچہ خاموش تھا

،خاموشی حد سے زیادہ تھی۔ ماں اس کے پیچھے دوڑ رہی تھی

آنکھوں میں سوال، ہاتھ خالی۔

،حِرا کی سانس اٹک گئی۔ یہ خبریں نہیں تھیں

:یہ زندگیاں تھیں۔ عمیر کی ماں نے آہستہ سے بتایا

کچھ دوائیں ترکی سے آئی ہیں، کچھ خیمے اردن سے۔"

"ملائیشیا، قطر، سب مدد بھیج رہے ہیں۔

—حِرا نے سر ہلایا۔ اس نے ٹی وی پر دیکھا تھا

،ریڈ کراس، ریڈ کریسنٹ

اور دنیا بھر میں احتجاج۔ مگر یہاں

مدد آنے کے باوجود کمی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

دوائیں ہیں، مگر ڈاکٹر کم ہیں۔"

"خون چاہیے، مگر وقت نہیں۔

یہ جملے حِرا کے دل پر بوجھ بن گئے۔

... عمیر نے کمزور آواز میں کہا: "یہ لوگ

"دنیا سے نہیں مانگتے، بس جینے دیتے۔

حِرا نے اس کی طرف دیکھا۔ اس لمحے

اس کا دل زور سے کانپا۔ وہ یہاں آکر

صرف عمیر کو نہیں دیکھ رہی تھی، وہ پوری قوم کا دکھ دیکھ رہی تھی۔

——باہر لوگ لائنوں میں کھڑے تھے

،پانی کے لیے، روٹی کے لیے

،اور خبر کے لیے۔ کسی کے ہاتھ میں شناختی کاغذ

کسی کے ہاتھ میں بچے کا ہاتھ۔ رات کو

بجلی چلی جاتی تھی، اور اندھیرا

صرف کمروں میں نہیں دلوں میں بھی اترتا تھا۔

حِرا نے محسوس کیا کہ اس کی انگلیاں ٹھنڈی ہو رہی ہیں۔

،دل اندر سے کانپ رہا تھا— خوف سے نہیں

،ذمہ داری سے۔ اگر میں یہاں آئی ہوں

تو کیا میں بس دیکھنے آئی ہوں؟ یہ سوال

خاموش تھا، مگر وزنی۔

،عمیر کی ماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "بیٹی

"اللہ نے تمہیں یہاں بھیجا ہے تو کوئی وجہ ہو گی۔

—حِرا نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب وہ جان گئی تھی

یہ سفر صرف ملاقات کا نہیں تھا۔

،یہ ٹھہرنے کا تھا، سمجھنے کا تھا

اور شاید کچھ اٹھانے کا بھی۔

باہر ایک اور آواز گونجی۔ فضا کانپی۔

حِرا نے دل پر ہاتھ رکھا۔ کانپتا ہوا دل

اب دعا بن چکا تھا۔ اور ثِقَل

اب صرف محبت کا نہیں رہا تھا—— یہ انسان ہونے کا تھا۔

ہسپتال کی راہداری میں خاموشی تھی، ایسی خاموشی جو آواز سے زیادہ شور مچاتی

ہے۔

عمیر بیڈ پر لیٹا تھا۔ آنکھیں کھلی، سانس ہلکی۔

، حِرا اس کے پاس بیٹھی تھی، دل میں خوف

ہاتھوں میں دعا۔ اسی وقت نرس نے عربی میں آکر کہا۔

حرا نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا اور فون پکڑ لیا۔

اس کی ماں فون پر ہیں۔" عمیر کو معلوم تھا اسے عربی نہیں آتی۔"

فون حِرا کے ہاتھ میں آیا۔

دوسری طرف ایک تھکی ہوئی، لرزتی آواز۔

، بیٹا... وہ ٹھیک تو ہے نا؟" عمیر کی ماں نے پوچھا"

...اور پھر رک کر کہا: ''اور وہ... عائشہ

وہ کیسی ہے؟

حِرا نے گہرا سانس لیا۔ ''خالہ، عائشہ پاکستان میں ہے۔

''اور عمیر زندہ ہے... بس کمزور ہے۔

اس نے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

:چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر حِرا نے دھیرے مگر مضبوط لہجے میں کہا

خالہ، میں سچ جانتی ہوں۔ اب آپ کھل کر بات کریں۔''

''ڈر کر مزید نقصان ہو جائے گا۔

،فون کے دوسری طرف سسکی کی آواز آئی

مگر کوئی جواب نہیں۔ کچھ سچ

کہے جانے سے پہلے وقت مانگتے ہیں۔

پاکستان میں اسی دن فضا بدل رہی تھی۔

یونیورسٹی کے گیٹ کے باہر طلبہ جمع ہو رہے تھے۔

:بینرز، نعروں،اور آنکھوں میں غصہ۔عائشہ ہاتھ میں پلے کارڈ لیے کھڑی تھی

فلسطین زندہ ہے" اس کے ساتھ زیمار تھا۔"

جب نعرے بلند ہوئے تو زیمار نے بے اختیار

اس کے برابر قدم بڑھادیا۔یہ ساتھ

خاموش وعدہ تھا۔ مگر شام کو

زیمار کے گھر میں الفاظ تیز تھے۔

میں نے منع کیا تھا"! والد کی آواز سخت تھی۔"

!"اس لڑکی سے دور رہو، یہ ہمیں مصیبت میں ڈال دے گی"

،زیمار نے نظریں نہیں جھکائیں۔"ابو

اگر آج ہم خاموش رہے تو کل ہم کس منہ سے

اپنے بچوں کو سچ سکھائیں گے؟" مجھے آگے ہی بہت غصہ آرہا ہے بھائی نے تمھارا

بچپن کا رشتہ اس غیر لڑکے کے لیے توڑ دیا ہے۔ان کی بات سن کر زیمار ٹھٹکا تھا

۔کہی عائشہ۔۔۔اس

سے آگے وہ سوچ نہ سکا۔ کس کا رشتہ ؟اس نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

تمھارااور حراکا۔یہ سن کراس کادل ہلکاہوا تھا۔

ابو تواس میں کیاہے؟ویسے بھی حرامیری بہنوں کی طرح ہے۔اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اس کے باپ نے اسے گھورا تھا۔والد نے رخ موڑلیا۔

یہ جنگ اب صرف دلوں کی نہیں رہی تھی۔

فلسطین میں حالات دوبارہ بگڑنے لگے۔

،چیک پوسٹس،سائرن

فضامیں دھواں۔حِرانے گھر فون کیا۔

اس کی ماں کی آواز کانپ رہی تھی۔"بیٹا... کھانا کھایا؟

ڈرو مت... ہم دعا کررہے ہیں۔" عائشہ بھی لائن پر آئی۔

حِرا،مضبوط رہو۔تم اکیلی نہیں ہو۔"

:ہم یہاں آواز بن رہے ہیں۔" حِرانے مسکراکر کہا

"مجھے معلوم ہے۔بس عمیر کو کچھ نہ ہو۔"

یہ ان کی آخری مکمل بات تھی۔اسی رات

بمباری شدید ہو گئی۔نیٹ ورک بند۔

فون خاموش۔پاکستان میں

حِرا کے والدین ہر لمحہ فون دیکھتے رہے۔

کوئی سگنل نہیں۔حِرا کی ماں ٹوٹ گئی۔

عائشہ اس کے پاس بیٹھی تھی،اسے سہارا دیتی ہوئی۔

"اللہ سب ٹھیک کرے گا،امی"... مگر ان کے آنسو نہ رکے۔

اس نے عائشہ کا ہاتھ تھام لیا۔اور اسی ٹوٹے لمحے میں

وہ سچ نکل آیا جسے برسوں دبایا گیا تھا۔

"بیٹا... تمہیں معلوم ہونا چاہیے"...

عائشہ نے سر اٹھایا۔"عمیر صالح

تمہارا بھائی ہے۔" کمرے میں

سانس رک گئی۔عائشہ کا رنگ اڑ گیا۔

کیا...؟" "ہم نے تمہیں بچانے کے لیے"

تمہیں الگ رکھا... اور آج

ہم سب بکھر گئے ہیں"... عائشہ کی آنکھوں سے

،آنسو بہہ نکلے۔وہ چیخی نہیں

گری نہیں— بس خاموش ہو گئی۔

اور اسی لمحے ثِقَل

اس کے کندھوں پر آ گرا۔یہ یہاں پر عربی زبان بولی جاتی ہے۔حرا نے تجسس

سے اس سے پوچھا تھا جو کہ بہت کمزور لگ رہا تھا۔

ہاں۔اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔وہ اس کی آنکھوں میں زیادہ دیر نہ

دیکھ سکا تھا۔

لیکن تم اور خالہ اردو کیسے بول سکتے ہو؟اس نے اس کی آنکھوں کا ادھر ادھر کرنا

محسوس

کر لیا تھا۔وہ اس لیے کہ میری امی کہتی تھی تمھارے بہت یہ

کام آئے گی۔اور کام آہی گئی۔ورنہ میں نے حذا ہی کرتے رہنا تھا۔

اس نے شرارت سے کہا تھا۔اس کی بات سن کر وہ مسکرائی تھی لیکن پھر وہ رکی تھی۔وہ نرس عربی میں کیا کہہ رہی تھی۔

یہی کہ اس کی امی فون پر ہیں۔اچھا۔"ویسے تمھیں پتہ ہے تم سے ایک سچ چھپایا گیا ہے اور اردو تمھاری امی نے اسی لیے سکھائی ہے

"کہ کل کو جب تم اپنے کسی گہرے رشتے سے ملوں گے تو بات کر سکوں گے۔

لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم اپنی امی سے سچ چھپانے پر ناراض نہ ہو. اس نے اسے کہا۔

کون سا سچ۔۔۔کون سا گہرا رشتہ۔۔؟وہ پریشان ہوا تھا۔

وہ تمھاری امی بتادے گی۔

عائشہ دیر تک بول نہ سکی۔لفظ جیسے

"زبان کے راستے بھول گئے ہوں۔"بھائی...؟

یہ لفظ اس کے ہونٹوں سے نکلا تو خود اسے اجنبی لگا۔

،حِرا کی ماں کی آنکھوں میں ندامت تھی،خوف تھا

اور برسوں کا تھکا ہوا سچ۔'' ہم نے تمہیں بچانے کے لیے

، تمہیں علیحدہ رکھا

بیٹا... ہمیں لگا تھا

فاصلہ تمہیں محفوظ رکھے گا۔'' عائشہ نے نظریں جھکا لیں۔

اس کے ذہن میں عمیر کے چہرے

،ایک ایک کر کے ابھرنے لگے —— اس کی خاموشی

اس کا خوف،اس کی حد سے زیادہ فکر۔

سب کچھ اچانک معنی پا گیا۔

اسی وقت یونیورسٹی کے باہر

مظاہرہ ختم ہو چکا تھا۔زیمار عائشہ کو ڈھونڈتا ہوا آیا

،تو اس نے اسے خاموش

''ٹوٹا ہوا پایا۔'' عائشہ؟

اس نے آہستہ سے پکارا۔ عائشہ نے نظریں اٹھائیں

مگر کچھ کہا نہیں۔ زیمار نے پہلی بار

اس کی آنکھوں میں خود کو باہر کھڑا دیکھا۔

اسی رات فلسطین میں

،خاموشی اور بھی خوفناک ہو گئی۔ سائرن بند ہو چکے تھے

مگر خطرہ نہیں۔ حِرا ایک اندھیرے کمرے میں بیٹھی تھی۔

فون مردہ تھا۔ اس نے دل ہی دل میں کہا:

امی، اگر آپ سن رہی ہیں

تو جان لیں— میں ڈری نہیں ہوں۔ بس بہت اکیلی ہوں۔

عمیر دوائیوں کے زیرِ اثر بے ہوش تھا۔ اس کے ہاتھ پر

حِرا نے آہستہ سے اپنی انگلی رکھی۔

"میں نے تمہیں کبھی غلط نہیں سمجھا"

وہ سرگوشی میں بولی۔ "اب سب ٹھیک ہو جانا چاہیے...

نا؟" مگر جواب میں

صرف مشین کی بیپ تھی۔اس نے عائشہ کا دیا ہوا خط کھولا تھا۔

،حِرا، میں تمہیں کوئی سچ نہیں دے رہی

کیونکہ میرے پاس بھی کوئی سچ نہیں ہے۔بس کچھ باتیں ہیں

جو وقت سے پہلے زبان پر آجائیں تو رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔

،عمیر اکثر خاموش رہتا ہے

اور خاموشی ہمیشہ بے حسی نہیں ہوتی۔اگر وہ کبھی پیچھے ہٹے

تو اسے اپنی کمزوری سمجھنا، کسی کی بے قدری نہیں۔

شاید میں غلط ہوں، مگر مجھے لگتا ہے

کچھ ڈر ایسے ہوتے ہیں جو کہے بغیر ہی جینے پڑتے ہیں۔

عائشہ

پاکستان میں حِرا کی ماں نے

نماز کے بعد عائشہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”اب یہ بوجھ تمہارا بھی ہے، بیٹا۔“

عائشہ نے آنسو پونچھے۔“امی۔۔۔

اگر وہ میرا بھائی ہے تو پھر میری آواز

”اس کے لیے اور بھی بلند ہو گی۔

یہ خوف نہیں تھا۔ یہ فیصلہ تھا۔اور کہیں دور

زیمار کے والد خاموشی سے

بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔انہیں پہلی بار احساس ہوا

کہ یہ کہانی اب ان کے ہاتھ میں نہیں رہی تھی۔

عائشہ نے وہ رات جاگ کر گزاری۔ آنکھیں بند کرتی

،تو عمیر کا چہرہ سامنے آجاتا—— اب وہ صرف ایک نام نہیں رہا تھا

وہ اس کا بھائی تھا۔ یہ لفظ

دل میں اترنے سے پہلے روح کو کاٹتا ہے۔

صبح کی اذان کے ساتھ اس نے وضو کیا۔

نماز کے بعد ہاتھ دعا کے لیے اٹھے

...مگر لفظ نہیں ملے۔ یااللہ

اگر یہ رشتہ آزمائش ہے تو مجھے اس کے قابل بنا دے۔

اسی صبح زیمار عائشہ کو کال کرتا رہا۔

فون خاموش۔ وہ یونیورسٹی کے گیٹ پر کھڑا

خالی جگہ کو دیکھتا رہا جہاں کل وہ نعرہ لگا رہی تھی۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ ایک سچ

عائشہ کو اس سے خاموشی سے دور لے جا چکا ہے۔

فلسطین میں حالات پھر بگڑ رہے تھے۔

،چیک پوسٹس پر سختی، فضا میں ہیلی کاپٹر کی آواز

اور ہر طرف لوگوں کی آنکھوں میں خوف۔

حِرا ہسپتال کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ دور

:مسجدِ اقصیٰ کے مینار دھند میں لپٹے تھے۔ اس نے دل میں کہا

یہ جگہ صرف مٹی نہیں — یہ سجدوں کی امانت ہے۔

اسی لمحے عمیر نے

ہلکی سی جنبش دکھائی۔

”حِرا چونک اٹھی۔ ”عمیر...؟

اس کی پلکیں کانپیں مگر آنکھ نہ کھلی۔

پاکستان میں حِرا کے والدین

ہر خبر پر چونک جاتے۔ ٹی وی اسکرین پر

، بمباری کی تصاویر، ٹوٹے گھر

اور روتے بچے۔ حِرا کی ماں نے

...”ٹی وی بند کر دیا۔ ”میں یہ نہیں دیکھ سکتی

وہ رو پڑی۔ عائشہ نے آگے بڑھ کر

...اسے تھام لیا۔ ”امی

وہ مضبوط ہے۔

اور ہم بھی۔" یہ کہتے ہوئے

اس کی اپنی آواز لرز گئی۔اسی شام

عارف صاحب نے آخری بار بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"اگر تم نے یہ راستہ چُنا تو واپس نہیں آسکو گے۔"

...زیمار نے آہستہ سے کہا: "ابو

—میں واپس نہیں جانا چاہتا جہاں ضمیر نہ ہو۔" یہ ضد نہیں تھی

یہ شناخت تھی۔رات کو

عائشہ نے حِرا کو وائس میسج بھیجا حالانکہ اسے معلوم تھا

...کہ شاید نہ پہنچے۔"حِرا

میں سچ جان گئی ہوں کہ جو خون عمیر کی رگوں میں دوڑتا ہے وہی خون میری

رگوں میں بھی دوڑ رہا

ہے۔اور میں کمزور نہیں پڑوں گی۔

"جو بھی ہو ہم ساتھ ہیں۔

میسج سینڈ ہو گیا۔جواب نہیں آیا۔

اسی اندھیرے میں حِرا نے دل پر ہاتھ رکھا۔

،خوف تھا، محبت تھی

اور ایک ایسا بوجھ جواب اس کا مقدر تھا۔

—— ثِقَل اب کہانی کا نام نہیں رہا تھا

عائشہ نے زیمار کو خود بلایا تھا۔ وہ یونیورسٹی کے اس خاموش کونے میں کھڑے تھے

جہاں کبھی نعرے گونجتے تھے۔

،زیمار"... عائشہ کی آواز ہلکی تھی"

—— مگر آنکھیں فیصلہ کر چکی تھیں۔" مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے

"اور اس کے بعد میں تمہارا جواب نہیں مانگوں گی۔

زیمار چونکا، خاموش رہا۔

"عمیر... میرا بھائی ہے۔"

،لفظ جیسے ہوا میں رک گئے۔ زیمار نے ایک قدم پیچھے لیا

...''پھر آہستہ سے بولا: ''تم مجھے یہ پہلے بھی بتا سکتی تھیں

''عائشہ نے نظریں جھکا لیں۔'' مجھے خود ابھی پتا چلا ہے۔

چند لمحے خاموشی رہی۔

:پھر زیمار نے کہا— نہ شکوہ، نہ غصہ

''تب بھی میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

یہ اعلان نہیں تھا، یہ ثابت قدمی تھی۔

لیکن تمھارا رشتہ تو حرا سے طے ہے۔اس کی آواز میں نمی شامل تھی جسے زیمار نے بھی محسوس

کر لیا تھا۔ لیکن اب نہیں ہے۔ چچا نے ابو کو انکار کر دیا ہے

ویسے بھی حرا میرے لیے دوست سے بڑھ کر کچھ نہ تھی۔

زیمار نے اسے جواب دیتے ہوئے دیکھا تھا جس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی۔

اسی وقت فلسطین میں

حِرا نے فون کان سے لگایا۔عائشہ کی وائس نوٹ تھی۔

وائس نوٹ سن کر حِرا نے آنکھیں بند کر لیں۔

دل جیسے ہلکا ہو گیا۔اسی لمحے

عمیر نے آنکھیں کھولیں۔ حِرا جھک گئی۔

—— عمیر... ایک بات ہے جو تمہیں جاننی چاہیے"

"عائشہ... تمہاری بہن ہے۔

عمیر نے پلکیں جھپکائیں، پھر آنکھوں میں نمی ابھری—— مگر چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ وہ مجھ سے"

—— کچھ زیادہ جڑی ہوئی ہے"... یہ خوشی تھی

گمشدہ رشتے کی واپسی کی۔چند گھنٹوں بعد

،عمیر نے اپنی ماں سے بات کی۔ آواز مضبوط تھی

دل دکھا ہوا۔

امی... آپ نے اسے مجھ سے دور کیوں رکھا؟""

"پاکستان بھیجنا— یہ بھی سچ چھپانے کا حصہ تھا نا؟

دوسری طرف خاموش سسکی۔

—میں ڈر گئی تھی، بیٹا"... "ڈریں نہیں تھیں"

،آپ نے فیصلہ کیا تھا۔" یہ الزام نہیں تھا

یہ درد تھا۔ پاکستان میں

زیمار گھر پہنچا تو سیدھا اپنے والد کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

آپ مجھے روکتے رہے— اگر سچ بتا دیتے"

تو میں خود سنبھل جاتا۔" والد نے پہلی بار

..."نظر چرا لی۔" "میں تمہیں بچانا چاہتا تھا

مگر سچ سے بچا کر آپ نے مجھے"

خود سے دور کر دیا، ابو۔" کمرے میں

خاموشی اتر آئی۔ اسی رات

وقاص صاحب نے بیوی کی طرف دیکھا۔

—اب مزید نہیں۔ میں سب کو سچ بتاؤں گا"

"جتنا بتانا چاہیے، اتنا ہی سہی۔

حرا کی ماں نے سکون کا سانس لیا۔

—سچ اب بوجھ نہیں رہا تھا

یہ راستہ بن رہا تھا۔ عائشہ کھڑکی کے پاس کھڑی

رات کو دیکھ رہی تھی۔ دل میں ایک ہی خواہش:

..."ماں کو دیکھ لوں—بھائی سے مل لوں۔ بس ایک بار"

یہ محبت نہیں تھی، یہ ماں اور بھائی کی کمی تھی۔

اور کہیں دور مسجدِ اقصیٰ کے سائے میں

ایک بکھرا ہوا خاندان آہستہ آہستہ

اپنی

شکل پہچان رہا تھا۔۔

—— ثِقَل اب صرف دکھ نہیں

یہ رشتوں کی ذمہ داری بن چکا تھا۔

یہ اُس وقت کی بات ہے جب مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں

خاموشی زیادہ گہری ہوا کرتی تھی، اور سجدے

صرف خوف کے نہیں یقین کے بھی ہوتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ

صرف ایک مقام نہیں—— یہ ان لوگوں کی آزمائش ہے

جو اسے دیکھنے کا شرف پاتے ہیں۔ اسی یقین کے ساتھ

پاکستان سے ایک جوڑا فلسطین آیا تھا۔

دلوں میں شکر، آنکھوں میں خواب۔

صحنِ اقصیٰ سے نکلتے ہوئے اچانک

،عورت کے قدم لڑکھڑائے۔ چہرہ زرد پڑ گیا

سانس اکھڑنے لگا۔ مرد گھبرا گیا۔

—اسی لمحے ایک فلسطینی شخص آگے بڑھا

سادہ لباس، پیشانی پر سجدوں کا نشان۔

بی بی... بیٹھ جائیں۔" یہ صالح تھا۔"

،اس نے پانی دیا، سائے میں بٹھایا

اور قریبی حکیم کو بلا لایا۔ کچھ ہی دیر میں

عورت کی طبیعت سنبھل گئی۔ مرد کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

آپ نے ہمیں بچا لیا"... وہ بار بار کہتا رہا۔"

،صالح نے مسکرا کر کہا: "یہ اقصیٰ کی مہمان نوازی ہے

میری نہیں۔" اسی دن

ایک اور گھر میں

——چراغ جلا تھا۔ صالح کی بیوی درد میں تھی

اور اسی شام اللہ نے انہیں

ایک بچی عطا کی۔ صالح کی آنکھوں میں

خوشی اور شکر ایک ساتھ اتر آئے۔ کچھ دن بعد

دونوں خاندان دوبارہ ملے۔ پاکستانی عورت نے اپنی نومولود بچی کو

بازوؤں میں لیا ہوا تھا۔ ""ہم اس کا نام

حِرار کھنا چاہتے ہیں،" اس نے کہا۔

"کیونکہ یہ سفر ہماری زندگی کا انکشاف بن گیا ہے۔"

صالح کی بیوی نے اپنی بچی کو قریب کیا۔

——اور ہم اس کا نام عائشہ رکھیں گے"

زندگی جیسی۔" دو مائیں

مسکرا دیں۔ چند دنوں بعد

،صالح نے ایک بات کہی—— آہستہ

... مگر پورے یقین سے۔ ""آپ لوگ پاکستان واپس جا رہے ہیں

میری بیٹی کو کچھ عرصہ اپنے ساتھ لے جائیں۔

"یہ احسان کا بدلہ نہیں— یہ اعتماد ہے۔

..."پاکستانی جوڑا چونک گیا۔"نہیں، یہ بہت بڑا فیصلہ ہے

صالح نے نظریں جھکا لیں۔"یہاں حالات

ہر دن ایک جیسے نہیں رہتے۔اگر میری بیٹی

"کچھ وقت محفوظ رہے تو شاید میرا دل مطمئن ہو جائے۔

خاموشی چھا گئی۔اور پھر

ایک ماں نے دوسری ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

یہ سودا نہیں تھا— یہ ماں کا دل تھا۔

کچھ ہی دن بعد فضا بدل گئی۔

،ایک حملہ،ایک دھماکہ

اور ایک خبر۔صالح شہید ہو گیا۔

مسجدِ اقصیٰ کے سائے میں ایک اور چراغ بجھ گیا۔

گھر میں چھوٹا سا عمیر دیوار سے لگا

زور زور سے رو رہا تھا۔

”ابو... ابو کہاں ہیں...؟“

کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔

صرف خاموشی تھی،اور ایک ذمہ داری

جواب دو ملکوں کے بیچ

سانس لے رہی تھی۔اور یوں دو بچیاں

دو نام اور ایک شہادت

ایک کہانی بن گئے—— جسے برسوں بعد

ثِقَل کہا گیا۔

حِرا نے آنکھیں کھولیں تو ہسپتال کی سفید چھت سامنے تھی۔

،دل کی دھڑکن تیز تھی

جیسے کوئی پرانی کہانی اچانک سانس لینے لگی ہو۔

——وہ سب جو ماضی میں سنا گیا تھا

،مسجدِ اقصیٰ، صالح کی مسکراہٹ

——دونو مولود بچیاں، اور ایک شہادت

اب اس کے حال کا حصہ بن چکا تھا۔

عمیر خاموشی سے کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا۔

چہرے پر کمزوری تھی مگر آنکھوں میں

:وہی پرانا صبر۔ حِرا نے آہستہ سے کہا

...''اب سمجھ آیا کہ تم اتنے مضبوط کیوں ہو''

عمیر نے پلٹ کر دیکھا۔''اور اب سمجھ آیا

کہ تم یہاں کیوں ہو،'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''یہ سب اچانک نہیں تھا۔''

اسی وقت پاکستان میں

عائشہ نے اپنی ماں کی تصویر فون پر کھولی۔ انگلیاں کانپیں۔

..."ماں... میں آرہی ہوں"

وہ خود سے بولی۔ یہ سفر

محبت کا نہیں تھا — یہ شناخت کا تھا۔

:زیمار نے اسے خاموش بیٹھے دیکھا تو آہستہ سے پوچھا

کیا تم ڈری ہوئی ہو؟" عائشہ نے سر ہلایا۔"

..."نہیں"

حِرا کے والد نماز کے بعد دیر تک بیٹھے رہے۔

پھر دھیرے سے بولے: "ہم نے جو کیا

وہ حفاظت تھی، مگر اب

سچ کو اپنا راستہ چاہیے۔" حِرا کی ماں نے سر جھکا لیا۔

"اب ہم روک نہیں سکتے۔"

فلسطین کی رات ایک بار پھر شور سے بھری تھی۔

مگر اس بار حِرا ڈری نہیں۔

:اس نے مسجدِ اقصیٰ کی سمت دیکھا اور دل میں کہا

——یااللہ... یہ کہانی تیرے نام سے شروع ہوئی تھی

اسے انجام بھی

تو ہی دے۔اور یوں

ماضی اور حال ایک ہی نقطے پر آ ملے۔

—— ثِقَل اب راز نہیں رہا تھا

یہ امانت بن چکا تھا۔

،عائشہ نے فون کان سے لگایا ہوا تھا۔آواز میں ہچکچاہٹ تھی

...مگر دل فیصلہ کر چکا تھا۔"ماں

میں فلسطین آنا چاہتی ہوں۔" اتنے برسوں بعد اپنی بچی کی آواز سن کر ماں کی ممتا تڑپ اٹھی تھی۔عائشہ۔۔۔ان کی روتی آواز آئی تھی اور دونوں بے آواز رو پڑی تھی۔دوسری طرف

حِرا کی ماں نے جب یہ سنا جو کہ عائشہ سے چند فاصلے پر موجود چارپائی پر بیٹھی تھی کی

سانس

اٹک گئی۔

——"بیٹا… یہاں حالات"

عائشہ نے بات پوری نہ ہونے دی۔"میں جانتی ہوں۔

"مگر میرا دل اب وہیں ہے۔

فون بند ہوا

تو حرا کی ماں دیر تک ساکت بیٹھی رہی۔ماں کا دل

بیٹی سے آگے ہر بیٹی کے لیے دھڑکتا ہے۔

——اسی وقت عمیر کی ماں نے بیٹے کو دیکھا

…کمزور مگر زندہ۔"بیٹا

،ہم آ رہے ہیں۔یہ زمین چھوڑنا آسان نہیں

"مگر تمہارے لیے ہم سب کچھ چھوڑ سکتے ہیں۔

عمیر نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ وعدہ

زندگی جیسا تھا۔ پاکستان میں

عائشہ نے خود کو خاموش کر لیا تھا۔

زیمار کی کالیں نظر انداز ہو رہی تھیں۔

پیغامات بغیر پڑھے رہ گئے۔

زیمار کا دل خاموشی سے ٹوٹ رہا تھا۔

—وہ جانتا تھا یہ بے وفائی نہیں

یہ راستہ بدلنے کی قیمت تھی۔ حِرا کی ماں نے

بیٹی سے کہا: "بس اب واپس آ جاؤ۔

—ہم اور نہیں سہہ سکتے۔" حِرا نے آہستہ سے جواب دیا

وہ جواب جو دل سے نکلا تھا۔

امی... اگر واپس آئی"

تو ادھوری آؤں گی۔" ماں خاموش ہو گئی۔

حِرااپنے باپ سے بات کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی لیکن اس نے دل کی بات کہہ دی تھی۔

بابا... میں چاہتی ہوں''

میرا نکاح مسجدِ اقصیٰ میں ہو۔

اسی سرزمین پر جہاں میں پیدا ہوئی۔

اگر آپ اجازت دیں تو''... کمرے میں

وقت ٹھہر گیا۔ حِرا کے باپ

—چند لمحے بول نہ سکے۔ یہ ضد نہیں تھی

یہ پہچان تھی۔ اسی رات

،انہوں نے عمیر کی ماں سے بات کی۔ ڈری ہوئی آوازیں

لمبی خاموشیاں، اور آخرکار

رضامندی۔ نکاح

آسانی سے نہیں— بڑی مشکلوں سے طے پایا۔ مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں

سادہ سا انتظام تھا۔ کچھ چہرے

—— ویڈیو کال پر تھے

پاکستان سے۔ دعائیں

، سرحدوں سے آزاد تھیں۔ حِرا کے ہاتھ کانپ رہے تھے

عمیر کی آنکھیں نم تھیں۔ عائشہ

دور کھڑی ویڈیو کال پر مسجدِ اقصیٰ کو حسرت سے دیکھ رہی تھی۔

اسی اسکرین پر اسے اپنی ماں بھی دکھائی دی۔ دونوں کی نظریں ملی

تھی۔ دونوں کے دل تڑپ گئے تھے۔

آنکھیں بھر آئیں۔ جب قاضی نے

قبول ہے؟ پوچھا—— تو جواب

دل سے آیا۔

قبول ہے۔ قبول ہے۔ قبول ہے۔

سجدے میں شکر اتر آیا۔

یہ صرف نکاح نہیں تھا— یہ کہانی کی گواہی تھی۔

سب خوش تھے، مگر خاموشی کے ساتھ۔

کیونکہ ثِقَل

خوشی میں بھی وقار مانگتا ہے۔

—مسجدِ اقصیٰ کا صحن نکاح کے بعد بھی ویسا ہی تھا

پرانا، پر سکون، اور گواہ۔

، حِرا نے سجدے سے سر اٹھایا تو آنکھوں میں آنسو تھے

مگر دل میں خوف نہیں۔ عمیر اس کے برابر بیٹھا تھا۔

کمزور، مگر مطمئن۔

یہ سب خواب تو نہیں؟" حِرا نے دھیرے سے پوچھا۔"

عمیر مسکرایا۔"اگر خواب ہے تو میں چاہتا ہوں

یہ کبھی ٹوٹے نہیں۔" یہ پہلا جملہ تھا

جو اس رشتے کے بعد بولا گیا۔

سادہ، سچا۔

ویڈیو کال پر پاکستان میں

سب کی آنکھیں نم تھیں۔

،حِرا کی ماں مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی

اور باپ بار بار نظریں جھکا رہے تھے۔

بیٹا خوش رہنا"... بس اتنا ہی کہہ پائے۔"

عائشہ اسکرین کے ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھی۔

نکاح ہو چکا تھا، مگر اس کا دل

—ابھی سفر میں تھا۔ اس نے مسجدِ اقصیٰ کو دیکھا

دور سے، حسرت سے۔

اور پھر امی کو۔

آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ فلسطین میں

عمیر کی ماں نئے رشتے کو دیکھ رہی تھی۔

آنکھوں میں آنسو، مگر چہرے پر سکون۔

بیٹا... اللہ نے''

تمہیں وہ دیا جس کی مجھے فکر تھی۔'' حِرا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

یہ قبولیت تھی—— خاموش مگر مکمل۔ عائشہ نے اسی رات

...اپنی ماں سے کہا: ''ماں

''میں آرہی ہوں۔ اب رک نہیں سکتی۔

دوسری طرف ایک لمبی خاموشی تھی۔

: پھر ماں کی بھری ہوئی آواز

آجاؤ بیٹا... اب تمہارا دل''

——وہیں ہے۔'' یہ اجازت نہیں تھی

یہ ماں کا ہار مان لینا تھا۔ اپنے بھائی سے نہیں بات کروں گی۔ تھوڑی دیر بعد عمیر صالح کی آواز ابھری تھی۔ بھائی۔۔ اور پھر وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔

رات کے آخری پہر حِرا نے مسجدِ اقصیٰ کی طرف دیکھا۔

چاند آدھا تھا، مگر روشنی پوری۔ اس نے دل میں کہا:

یا اللہ... تو نے مجھے

میرا حق دیا — اب مجھے

اس حق کی حفاظت بھی دے۔ عمیر نے اس کی طرف دیکھا،

اور پہلی بار

اس نے خود کو اکیلا محسوس نہیں کیا۔

ثِقَل اب بوجھ نہیں رہا تھا —

یہ ذمہ داری تھی، جو دو دلوں نے

خاموشی سے اٹھا لی تھی۔

فضا میں ایک عجیب سی گھٹن تھی۔ جیسے شہر

سانس روک کر کچھ ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔

مسجدِ اقصیٰ کے گرد چیک پوسٹس سخت تھیں،

اور سائرن وقفے وقفے سے

دل دہلا رہے تھے۔ فون پر

...عائشہ اور عمیر کی بات ہو رہی تھی۔ ''بھائی

حِرا کیسی ہے؟'' عائشہ نے پوچھا۔

... عمیر نے مسکرا کر کہا: ''وہ ٹھیک ہے

بس ہر آواز پر چونک جاتی ہے۔'' حِرا قریب بیٹھی تھی۔

،اس نے فون کی طرف جھک کر کہا: ''تم جلدی آجانا

ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' عائشہ کی آواز بھرا گئی۔

''بس دعا کرو یہ زمین ہمیں قبول کرلے۔''

اسی لمحے ویڈیو کال پر

ایک اور چہرہ ابھرا۔ زیمار۔

اوہ ہو—— نکاح کے بعد''

یہی حال ہوتا ہے کیا؟'' وہ ہلکے سے چھیڑا۔

حِرا مسکرا دی، عمیر نے شرما کر نظریں چرا لیں۔

یہ مسکراہٹ چند لمحوں کی تھی۔

اچانک —— ایک زوردار دھماکہ۔

،اسکرین لرز گئی۔ چیخ

دھواں،اور پھر

خاموشی۔ فون زمین پر گرا۔

ویڈیو کال کٹ گئی۔ پاکستان میں

عائشہ نے اسکرین کو دیکھا —— سیاہ۔

''عمیر...؟ حِرا...؟''

کوئی جواب نہیں۔ چند لمحوں بعد

خبر چلنے لگی۔ مسجدِ اقصیٰ کے قریب

حملہ۔ دو شہادتیں۔

اور بھی کافی نقصان ہوا تھا۔

عائشہ زمین پر بیٹھ گئی۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

،سوگ پھیل گیا—— بینرز خاموش ہو گئے

:نعرے رک گئے۔ وہ رو رو کر کہتی رہی

...''مجھے جانے دو... میں وہاں جانا چاہتی ہوں''

... مگر کوئی اسے جانے نہیں دیتا تھا۔ ''ابھی نہیں، عائشہ

ابھی نہیں''... فلسطین میں

عمیر، حرا اور اس کی ماں وہیں سپردِ خاک کیے گئے

جہاں صالح شہید ہوا تھا۔ اسی مٹی میں

ایک اور امانت لوٹا دی گئی۔

گھر کے دروازے پر اس کی ماں

خاموش کھڑی تھی۔ آنسو نہیں تھے—— بس خالی آنکھیں۔

:عائشہ کا برا حال تھا۔ وہ بار بار کہتی

...''میں نے اسے واپس بلایا تھا... میں نے کہا تھا واپس آجاؤ''

،زیمار اس کے پاس بیٹھا رہا۔ بغیر کچھ کہے

بس موجود۔اس نے پہلی بار

...اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔"رولو، عائشہ

کبھی کبھی

"رولینا ہی زندہ رہنے کا ثبوت ہوتا ہے۔

گھر میں خاموشی تھی۔

دیواروں پر حِرا کی ہنسی گونجتی تھی

مگر وہ خود نہیں تھی۔اور کہیں دور

مسجدِ اقصیٰ کے مینار پھر بھی کھڑے تھے۔

گواہ۔ کہ کچھ دعائیں

قبول ہو جاتی ہیں—— مگر

اس طرح جیسے ہم سوچتے نہیں۔

ثِقَل اب کہانی نہیں رہا تھا۔

،یہ ماتم تھا، یہ وراثت تھی

اور یہ وہ درد تھا جو نسلوں تک

یاد رکھا جاتا ہے۔

دن گزرتے گئے، مگر گھر میں وقت رک سا گیا تھا۔

حِرا کے کمرے کی کھڑکی اب بھی وہیں کھلتی تھی، مگر پردہ ہلانے والی ہوا

اب کسی کو آواز نہیں دیتی تھی۔ عائشہ اکثر وہاں آ کر بیٹھ جاتی۔

خاموش، بے آواز۔

وہاں رونا بھی اجازت مانگتا تھا۔

ایک دن زیمار نے آہستہ سے کہا:

”چلو... آج باہر چلتے ہیں۔“

عائشہ نے انکار نہیں کیا۔

یہ پہلی بار تھا کہ اس نے خود کو

کسی کے ساتھ چلنے دیا۔ راستے میں

ایک دیوار پر فلسطین کا نقشہ بنا تھا۔

...”عائشہ رک گئی۔“ یہ صرف زمین نہیں تھی

”وہ بولی۔“ یہ حِرا تھی۔ یہ عمیر تھا۔

زیمار نے سر ہلایا۔“اور اب یہ تم ہو۔” اسی رات

عائشہ نے حِرا کی ڈائری کھولی۔ آخری صفحے پر

صرف ایک جملہ تھا: اگر میں نہ رہوں

تو میری جگہ

سچ بولتے رہنا۔ عائشہ کی آنکھوں سے

آنسو بہے— قرآنی آیت

،اور جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں، انہیں مردہ مت کہو“

”بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تم شعور نہیں رکھتے۔

(154

یہ آیت

)سورۃ البقرہ:

عائشہ کی آنکھوں میں ٹھہر گئی۔ وہ جان گئی—— عمیر اور حِرا

کہانی کے انجام نہیں تھے بلکہ ابتدا تھے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"شہید کو درد محسوس نہیں ہوتا، سوائے اتنے جیسے چیونٹی کا ڈنک۔"

ترمذی(یہ بات(

زیمار نے دل میں بٹھالی۔ مگر وہ ٹوٹی نہیں۔

کچھ ہفتوں بعد یونیورسٹی میں

،ایک چھوٹا سا اجتماع ہوا۔ نعرے نہیں تھے

صرف دعائیں۔ عائشہ نے مائیک تھاما۔

آواز ہلکی تھی، مگر الفاظ مضبوط۔

کچھ لوگ مر کر ختم نہیں ہوتے۔"

——وہ ذمہ داری بن جاتے ہیں۔" یہ تقریر نہیں تھی

یہ عہد تھا۔ زیمار پیچھے کھڑا تھا۔

اس نے پہلی بار خود کو

کسی کے سائے میں نہیں کسی کے ساتھ محسوس کیا۔

رات کو عائشہ نے نماز پڑھ کر

...سجدہ کیا۔ "یا اللہ

میں نے سب کھو دیا ہے، مگر تو باقی ہے۔

"مجھے اس بوجھ کے قابل بنا دے۔

—یہ دعا قبولیت مانگنے کی نہیں تھی

یہ طاقت مانگنے کی تھی۔ وقت کے ساتھ

درد نے خاموشی اوڑھ لی۔

اور عائشہ نے سمجھ لیا: زندگی ہمیشہ

واپس نہیں دیتی— مگر

آگے بڑھنے کی راہ

ضرور دیتی ہے۔ ثِقَل

یہی تھا۔ وہ بوجھ

—جو انسان کو توڑتا نہیں

بلکہ معنی دے دیتا ہے۔

وقت نے زخموں کو مٹایا نہیں، بس انہیں سنبھالنا سکھا دیا۔

—عائشہ اور زیمار اب الگ الگ نہیں رہے تھے

،وہ ایک مقصد کے دو نام بن چکے تھے۔ کبھی سیمینار

کبھی مظاہرے، کبھی خاموش دعائیں۔

—فلسطین اب صرف ایک ملک نہیں تھا

یہ ان کی پہچان بن چکا تھا۔

عائشہ جب بولتی تو اس کی آواز میں

حِرا کی ہمت اور عمیر کی سچائی سنائی دیتی۔

اور زیمار ہر جگہ

ایک قدم پیچھے نہیں—— ایک قدم ساتھ ہوتا۔

ایک دن مسجد کے صحن میں

عائشہ نے کہا: "میں نے محبت

کھو کر پائی ہے۔ میرے والدین، بھائی، حرا آہ

اگر یہ محبت اللہ کے راستے میں ہو

——تو کیا یہ بھی عبادت ہے؟" زیمار نے جواب نہیں دیا

صرف اس کا ہاتھ تھام لیا۔ نکاح سادہ تھا۔

کوئی شور نہیں، کوئی دکھاوا نہیں۔

صرف دو دل

اور ایک دعا: "یا اللہ

ہمیں ان لوگوں میں شامل کر جو چراغ بن کر جلتے ہیں اور اندھیرا نہیں

پھیلاتے۔"

نکاح کے بعد عائشہ نے آسمان کی طرف دیکھا۔

اسے لگا حِرا مسکرا رہی ہے۔

عمیر سر جھکائے دعا میں ہے۔

...زیمار نے آہستہ سے کہا: ''ہم انہیں واپس نہیں لا سکتے
''مگر ان کا قرض اتار سکتے ہیں۔

عائشہ نے سر ہلایا۔''ہم فلسطین کے لیے
جیتے رہیں گے۔'' کہانی ختم نہیں ہوئی تھی۔
بس ایک نئی دعا میں بدل گئی تھی۔

وہ جو گئے وہ ہارے نہیں۔ وہ جو رہ گئے وہ ٹوٹے نہیں۔
کچھ محبتیں قبروں میں سو جاتی ہیں
اور کچھ قوموں کو جگا دیتی ہیں۔

ثِقَل وہ وزن

جو انسان کو جھکا نہیں دیتا—— بلکہ
کھڑا رہنا سکھاتا ہے۔ اختتام

مصنفہ کا نوٹ یہ ناول

کسی ایک کہانی کا نام نہیں—— یہ ان سب کے نام ہے

جو سچ کے وزن) ثِقَل(کو برداشت کرتے ہیں۔

یہ کہانی محبت کی ہے

مگر رومان کی نہیں۔ یہ قربانی کی ہے

مگر مایوسی کی نہیں۔ اگر ایک قاری بھی

اس ناول کے بعد فلسطین کو

صرف خبر نہیں

فرض سمجھے—— تو

یہ کتاب اپنا حق ادا کر گئی۔

فاطمہ گل